پروازِ جگر

جگر جالندھری

مُصنّف : جگرؔ جالندھری

والد کا نام: شری دیس راج مرواہا

تاریخِ پیدائش : ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء

مقامِ پیدائش : بمقام سارنگدیو۔ ضلع امرتسر (پنجاب)

پتہ : مکان نمبر ۶۲۷ گلی نمبر ۶ گورنخش کالونی۔ پٹیالہ - ۱۴۷۰۰۱

تعلیم : بی۔اے۔ ایل ایل۔بی۔ ادیب فاضل

مُلازمت: ڈپٹی سیکرٹری۔ پنجاب راج بجلی بورڈ (ریٹائرڈ)

تصانیف: ۱۔ سوزِ جگر ۱۹۷۲ء ۲۔ لختِ جگر ۱۹۷۶ء ۳۔ خونِ جگر ۱۹۸۴ء ۴۔ اندازِ جگر (دیوناگری رسم الخط) ۱۹۸۶ء ۵۔ دردِ جگر ۱۹۹۰ء ۶۔ گُل وخار (دیوناگری رسم الخط) ۱۹۹۲ء ۷۔ اندازِ جگر۔ بھاشا وبھاگ پنجاب کی جانب سے گورمکھی رسم الخط میں ۱۹۹۴ء

۸۔ گُل وخار۔ بھاشا وبھاگ پنجاب کی جانب سے گورمکھی رسم الخط میں۔ زیرِ اشاعت

۹۔ پروازِ جگر۔ تازہ مجموعہ۔

اعزازات وانعامات : ۱۔ لختِ جگر پر یو۔پی اُردو اکادمی ایوارڈ ۱۹۸۰ء

۲۔ بھاشا وبھاگ پنجاب کی طرف سے لختِ جگر پر بہترین شعری تخلیق ایوارڈ ۱۹۸۱ء

۳۔ خونِ جگر پر یو۔پی اُردو اکادمی ایوارڈ ۱۹۸۵ء

۴۔ آل انڈیا میرؔ اکادمی ایوارڈ ۱۹۸۵ء

۵۔ پنجاب سرکار کا ساحرؔ لدھیانوی ایوارڈ ۱۹۸۶ء

۶۔ صدرِ جمہوریۂ ہند کی طرف سے راشٹرپتی بھون میں اعزاز ۱۹۸۷ء

۷۔ پنجاب سرکار کا سب سے بڑا ادبی ایوارڈ (شرومنی ساہتیہ کار ایوارڈ) ۱۹۹۰ء

۸۔ پنجاب سرکار کا سب سے بڑا سماجی ایوارڈ (پنجاب سرکار پرمان پتر) ۱۹۹۱ء

۹۔ روٹری انٹرنیشنل اور دیگر کئی سماجی وادبی تنظیموں سے اعزازات۔

پروازِ جگر

جگر جالندھری

جملہ حقوق بہ حقِ مصنّف محفوظ ہیں

مصنّف : جگرؔ جالندھری
بارِ اوّل : ۱۹۹۸ء
مطبع : پھلکیاں پریس۔ پھلکیاں مارگ ۔ پٹیالہ
سرورق : قیصر سرمست
کتابت : درویش "خوش رقم"
ناشر : جگرؔ جالندھری، مکان نمبر ۶۲۷، گلی نمبر ۶ گوربخش کالونی، پٹیالہ۔ ۱۴۷۰۰۱
تعداد : ایک ہزار
قیمت : سو روپے ۱۰۰/-

تقسیم کار :

- میسرز سوہن لال مدان بُک سیلر اینڈ لائبریری آرڈر سپلائر پُرانی کوتوالی چوک، پٹیالہ
- جگرؔ جالندھری مکان نمبر ۶۲۷ گلی نمبر ۶ گوربخش کالونی پٹیالہ۔ ۱۴۷۰۰۱

یہ کتاب بھاشا وبھاگ پنجاب کے مالی اشتراک سے شائع کی گئی۔

دو عالم کے شاعرِ اعظم (پروردگار)
کے نام

قلم بھی تمہارا، زباں بھی تمہاری
جو کہتا ہوں وہ داستاں بھی تمہاری

جگرؔ جالندھری

سوانحی کوائف

مُصنّف : جِگؔر جالندھری (دھرم پال مرواہا)

والد کا نام : شری دیس راج مرواہا

تاریخِ پیدائش : ۱۸ر جنوری ۱۹۳۵ء

مقامِ پیدائش : بمقام سارنگدیو - ضلع امرتسر (پنجاب)

پتہ : مکان نمبر ۲۷، گلی نمبر ۶ گوربخش کالونی - پٹیالہ - ۱۴۷۰۰۱

تعلیم : بی - اے - ایل ایل - بی - ادیب فاضل

مُلازمت : ڈپٹی سیکرٹری - پنجاب راج بجلی بورڈ (ریٹائرڈ)

تصانیف : ۱ - سوزِ جگر ۱۹۷۲ء ۲ - لختِ جگر ۱۹۷۶ء ۳ - خونِ جگر ۱۹۸۴ء ۴ - اندازِ جگر (دیوناگری رسم الخط) ۱۹۸۶ء ۵ - دردِ جگر ۱۹۹۰ء ۶ - گل و خار (دیوناگری رسم الخط) ۱۹۹۲ء ۷ - اندازِ جگر - بھاشا وبھاگ پنجاب کی جانب سے گورمکھی رسم الخط میں ۱۹۹۶ء

۸ - گل و خار - بھاشا وبھاگ پنجاب کی جانب سے گورمکھی رسم الخط میں - زیرِ اشاعت

۹ - پروازِ جگر - تازہ مجموعہ -

اعزازات و انعامات : ۱ - لختِ جگر پر یو - پی اردو اکادمی ایوارڈ ۱۹۸۰ء

۲ - بھاشا وبھاگ پنجاب کی طرف سے لختِ جگر پر بہترین شعری تخلیق ایوارڈ ۱۹۸۱ء

۳ - خونِ جگر پر یو - پی اردو اکادمی ایوارڈ ۱۹۸۵ء

۴ - آل انڈیا میر اکادمی ایوارڈ ۱۹۸۵ء

۵ - پنجاب سرکار کا ساحر لدھیانوی ایوارڈ ۱۹۸۶ء

۶ - صدرِ جمہوریۂ ہند کی طرف سے راشٹرپتی بھون میں اعزاز ۱۹۸۷ء

۷ - پنجاب سرکار کا سب سے بڑا ادبی ایوارڈ (شرومنی ساہتیہ کار ایوارڈ) ۱۹۹۰ء

۸ - پنجاب سرکار کا سب سے بڑا سماجی ایوارڈ (پنجاب سرکار پرمان پتر) ۱۹۹۱ء

۹ - روٹری انٹرنیشنل اور دیگر کئی سماجی و ادبی تنظیموں سے اعزازات -

اپنی بات

اپنے تمام بزرگوں، مہربانوں اور عزیز دوستوں کا شکر گزار ہوں جن کی دعا، سرپرستی اور تعاون سے "پیمانۂ جگر" منظرِ عام پر لایا جا رہا ہے۔ اِس زُمرے میں پوجیہ بھگت ہنسراج جی مہاراج۔ جناب اوم پرکاش منچندا، جناب امر سنگھ سنگلا، جناب وِجے کمار چوپڑہ، جناب ایس۔ وی۔ ہنس، جناب ایس۔ کے آہلووالیہ، ڈاکٹر مدن لال ہسیجہ، جناب آر۔ پی۔ جوشی۔ جناب بال کرشن سنگلا، جناب جے رائے منگلا، جناب ہرپال ٹوانہ، ڈاکٹر ناشر نقوی۔ جناب آر۔ ڈی۔ شرما تاثیر۔ جناب کے۔ کے۔ بھٹناگر۔ جناب جگجیت سنگھ دردی کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا صاحب۔ جناب قتیل شفائی۔ جناب اظہر جاوید۔ جناب کالی داس گپتا رضا۔ جناب کرشن بہاری نُور۔ جناب ندا فاضلی اور صابر ابوہری صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اِس مجموعے کے لئے اپنے تاثرات مرحمت فرمائے۔

جناب جگجیت سنگھ، جناب پرویز مہدی۔ پروفیسر بی۔ ایس۔ نارنگ۔ جناب سلیم اقبال۔ جناب ایس۔ ایس۔ بندرا۔ ماسٹر بلوچی۔ پینا زمسانی صاحبہ اور دیگر فن کاروں کا بھی سپاس گزار ہوں کہ اُن کی دِل کش آواز جگر پاروں کو پسند کرتی ہے۔

جگر جالندھری

فہرست

دُعائیہ : قبلہ جوشؔ ملسیانی 11

ارشادات و تاثرات

ڈاکٹر وزیر آغا	۱۲
جناب قتیلؔ شفائی	۱۳
جناب اظہر جاوید	۱۴ تا ۱۶
جناب کالی داس گپتا رضاؔ	۱۷ تا ۲۴
جناب کرشن بہاری نُورؔ	۲۵ تا ۲۶
جناب ندؔا فاضلی	۲۷
جناب صابرؔ ابوہری	۲۸ تا ۳۰

غزلیات	۳۱ تا ۱۴۹
نظمیات	۱۵۰ تا ۱۷۶
قطعات	مختلف صفحات پر
متفرقات	مختلف صفحات پر

مُصنّف تصویروں کے آئینے میں

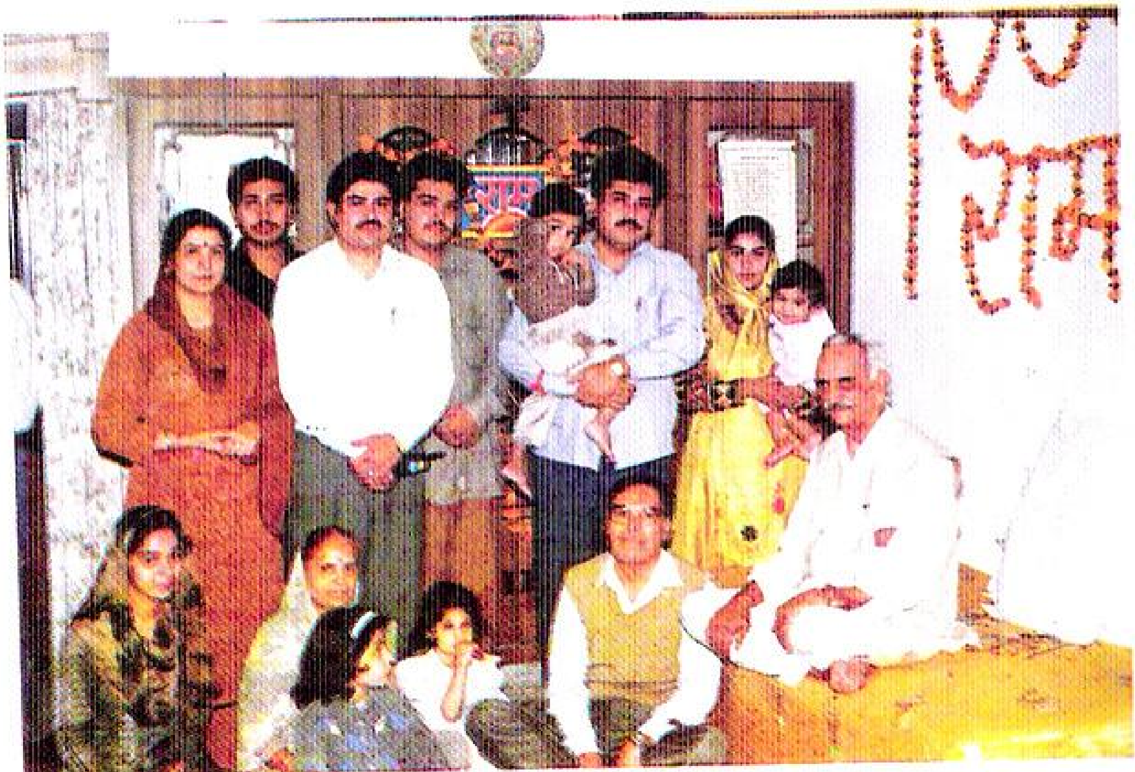

رُوحانی گُورُو بھگت ہنسراج جی مہاراج (پتا جی) سے پریوار سمیت آشیرواد لیتے ہُوئے۔
آپ آئے تو بن گیا خورشید ذرّہ ذرّہ غریب خانے کا ۱۹۹۸ء

راشٹرپتی بھون نئی دِلّی میں مُنعقدہ اعزازی تقریب کے موقع پر صدرِ جمہُوریۂ ہند گیانی ذیل سنگھ کے ساتھ (اُن کے دائیں ہاتھ بیٹھے ہُوئے) تقریب میں شامل ہونیوالے معزّزین میں سے چند تصویر میں بھی نمایاں ہیں۔ ۱۹۸۷ء

سردار بے انت سنگھ وزیرِ اعلیٰ پنجاب صُوبے کے سب سے اُونچے اَدبی ایوارڈ (شرومنی ساہتیہ کار ایوارڈ سنہ ۱۹۹۰ء) سے مُصنّف کا اعزاز کرتے ہُوئے۔

روٹری اِنٹرنیشنل کی جانب سے جناب وِجے کمار چوپڑہ چیف ایڈیٹر ہِند سماچار گروپ آف نیوز پیپرز (بائیں) اور روٹری کے سابق ڈسٹرکٹ گورنر جناب ایس۔ وی۔ ہنس (دائیں) مُصنّف کو روٹری لٹریری ایوارڈ سے سنمانت کرتے ہوئے۔ ۱۹۹۵ء

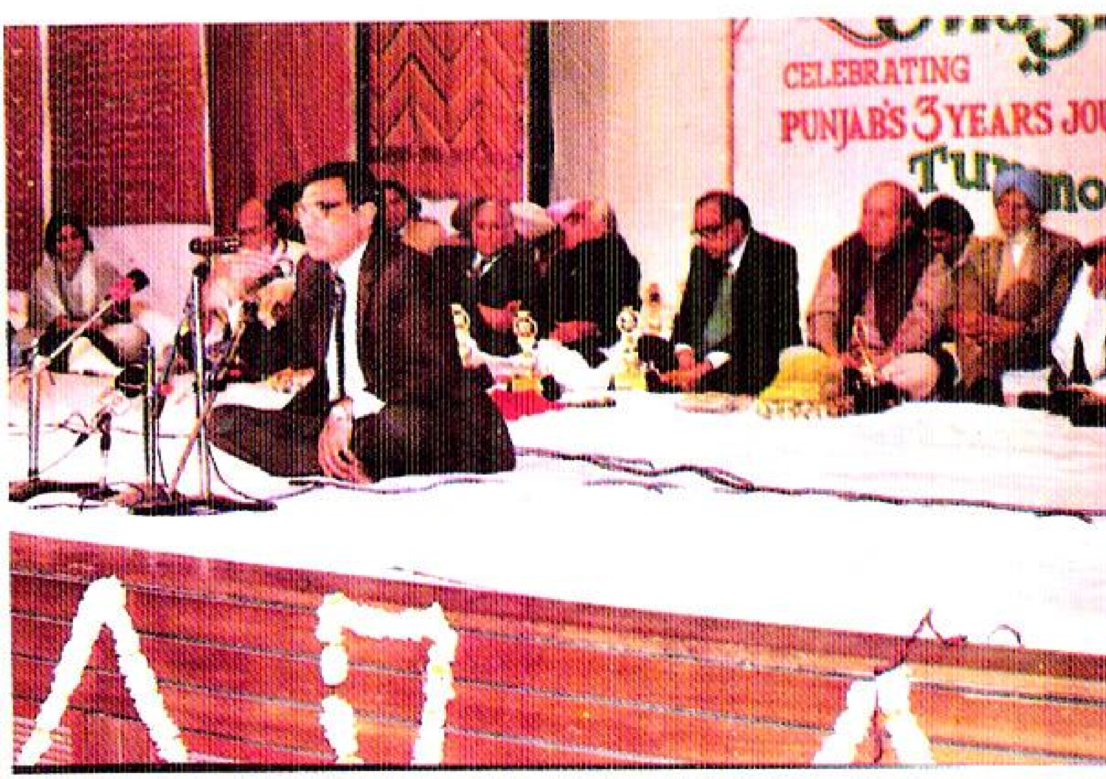

ایک انڈو پاک مشاعرے میں کلام پڑھتے ہوئے۔ سٹیج پر (دائیں سے بائیں) پورن سنگھ ہنر۔ قتیل شفائی۔
ڈاکٹر سردار انجم۔ جگن ناتھ آزاد۔ اظہر جاوید اور ڈاکٹر بشیر بدر بھی نمایاں ہیں۔

اپنے محترم دوست اور عظیم ادب نواز شخصیت جناب اوم پرکاش منجال مینجنگ ڈائریکٹر ہیرو سائیکل لمیٹڈ کے ساتھ۔
۱۹۹۸ء

نارتھ زون کلچرل سینٹر کی طرف سے پٹیالے میں منعقدہ رُو برُو پروگرام کے موقع پر مصنف کا سمان کرتے ہوئے:۔
(اوپر) سینٹر کے ڈائریکٹر جناب۔ ایس۔ کے۔ آہلووالیہ آئی۔ اے۔ ایس (نیچے) بھاشا وبھاگ پنجاب کے ڈائریکٹر
ڈاکٹر مدن لال ہسیجہ۔ ساتھ کھڑے ہیں مصنف کے جگری دوست، جناب بال کرشن سنگھا۔ ۱۹۹۸ء

دُعائیہ

ابوالفصاحت قبلہ جوشؔ ملسیانی

عزیزی جگرؔ جالندھری کو میں ایک مدّت سے جاننے کی طرح جانتا ہوں۔ وہ اگرچہ میرے قابل شاگرد ساحرؔ صاحب سیالکوٹی سے کامیاب تربیت حاصل کرتے رہے ہیں مگر مجھ سے بھی مستفید ہوتے رہے ہیں اور ادبی مشورے بھی حاصل کرتے رہے ہیں۔ زبان اور فن کی تحقیق کے شیدائی اور حُسنِ سخن کے فدائی ہیں۔ طبیعت شاعری کے لئے بہت موزوں ہے۔ اُن کی صحیح قسم کی موزونیِ طبع پیچیدہ بحروں میں بھی صحیح کہنے پر قادر ہے۔ ایک دفعہ میں نے اپنے بیس ۲۰ بائیس ۲۲ عزیزوں کو پیچیدہ سا مصرعِ طرح موزونیِ طبع کا امتحان لینے کے لیے اُس "طرح" میں غزل کہنے کی فرمائش کی تھی۔ نصف تعداد لڑھک گئی تھی۔ جو عزیز کامیاب رہے اُن میں جگرؔ صاحب بھی شامل تھے۔

وہ تخیّل اور زبان کو دوش بدوش رکھ کر شعر کہتے ہیں۔ نتائجِ افکار میں جھول بہت کم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سوچ سمجھ کر کہتے ہیں۔ متروکاتِ شعری اور متروکاتِ زبان کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ بندش کے لحاظ سے شعر ٹھوس اور مضبوط ہوتا ہے۔ اصلاح کی گنجائش بہت کم ہوتی ہے۔ طبیعت زیادہ تر غزل ہی کا میدان پسند کرتی ہے۔ ہر قسم کی عُریانی اور بازاری زبان سے بچ کر شعر کہتے ہیں۔ خوش بیانی اُن کی طبعِ سلیم کا جوہر ہے۔ جوہرِ قابل کہے جانے کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا
سرگودھا (پاکستان)

قادر الکلام شاعر

جگر جالندھری

جگر جالندھری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کے ہاں کلاسیکی رچاؤ شعر کی ہیئت اور مواد، دونوں سے مترشح ہے۔ بادہ و ساغر سے انہوں نے مشاہدۂ حق کی راہ بھی نکالی ہے۔ جس طرح ہمارے متقدمین نے نکالی تھی۔ اُن کا شعری اسلوب پختہ ہے۔ مگر تازہ کاری سے محروم نہیں ہے۔ جگر جالندھری اُردو کے تہذیبی دھاگوں کو اپنے اشعار کی بُنت میں استعمال کرنے پر قادر ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں قادر الکلامی اُن کا طرۂ امتیاز ہے میری دُعا ہے کہ وُہ اِسی طرح جذبِ دروں کے ساتھ اُردو شاعری کی آبیاری کرتے چلے جائیں۔

قتیل شفائی
لاہور (پاکستان)

جان و جگر

جگر جالندھری

جگر مراد آبادی سے نیاز مندی تھی یا اب جگر جالندھری سے دوستی ہوئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ بھی میرے جان و جگر تھے اور یہ بھی میرے جان و جگر ہیں۔ اس لئے کہ وہ شاعروں کے رہنما تھے اور یہ شاعروں کے قدردان۔ اور یہ وصف ایسا وصف ہے جو تازہ بہ تازہ خیالات اپنانے میں بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جگر جالندھری کا ہر مجموعۂ کلام اُنکے پہلے مجموعۂ کلام سے بہتر ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے تخلیقی سفر میں منزل بہ منزل آگے بڑھتے نظر آتے ہیں۔ اُن کا کلام کاغذ پر بھی ہوتا ہے اور سماعتوں پر بھی۔ وہ پٹیالے میں رہ رہے ہیں اور پٹیالے کے رنگ ڈھنگ باقی برِّصغیر سے الگ ہی پہچانے جاتے رہے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ جگر بھی اپنے کلام کے معیار و مقدار میں اپنے ہم عصروں سے الگ دِکھائی دیتے ہیں۔

اظہر جاوید، تخلیق"
ایڈیٹر ماہنامہ "تخلیق"
لاہور (پاکستان)

کلاسیکی شاعری کے علم بردار

جگر جالندھری

جگر جالندھری کلاسیکی روایت کے پختہ گو اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اِس سے پہلے اُنکے چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں اُنہوں نے اپنا تخلص اِس طرح اِستعمال کیا ہے کہ لفظوں کے معانی اور زیادہ نکھر گئے ہیں۔ سوزِ جگر۔ لختِ جگر۔ خونِ جگر اور اندازِ جگر۔ زیرِ نظر پانچواں مجموعہ "دردِ جگر" ہے۔ چھٹے مجموعے کی آمد آمد ہے۔ دیکھیں اُس میں جگر کِس طرح مستعمل ہوتا ہے۔

جگر جالندھری کا سِلسلۂ تلمذ جوشؔ ملسیانی سے جا ملتا ہے۔ اور اُن کے ہاں بھی ویسا ہی تغزّل اور ویسی ہی معاملہ بندی، محاورہ اور زبان وبیان کا ماجرا ملتا ہے۔ وہ بھارت میں غزل کی اُن قدیم روایات کے امین ہیں جو اُن کی نسل کے شاعروں کے ساتھ ہی ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ نئی غزل کے اُفق روشن سہی اور اُس میں عصری آگہی کے بہت دعوے سہی، مگر پُرانا طرزِ اظہار نہ متروک ہو سکتا ہے نہ اس کی چاشنی اور نغمگی ختم ہو سکتی ہے۔ جگر جالندھری بھی سادہ لہجے اور انداز میں شعر کہتے ہیں اور اس طرح وارداتِ قلبی کے ساتھ اپنے ارد گرد ہونیوالے واقعات کو بھی خوش اسلوبی سے بیان کر دیتے ہیں۔ اُن کے شعروں میں جہاں امن و آشتی کا پیام ہے وہیں وہ سیکولر سوچ کے بھی امین ہیں۔ وہ نانک و گوتم کو اگر آج کی ضرورت خیال کرتے ہیں تو محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی نہایت عقیدت اور احترام سے یاد کرتے ہیں۔ سیاسی چہرہ دشمنوں نے جو ویرانیاں بکھیری ہیں وہ بھی اُنہیں دُکھ دیتی ہیں۔ ایسے کچھ شعر دیکھیں:

پھولوں کی طرح جس کی مہک چاروں طرف تھی
شعلوں میں وہ پنجاب ہے، معلوم نہیں کیوں ؟

یہ دَور محبّت کا سبق بھول چُکا ہے
اِس دَور کو ہے نانکؔ و گوتمؔ کی ضرورت

ؔ

عِشق گوتمؔ کی روشنی کی نوید
عِشق نانکؔ کا نعرۂ توحید
عِشق ہی بانسری کنہیاؔ کی
عِشق ہی کائنات میراؔ کی
عِشق ہی چاہ مُصطفےٰؐ کی ہے
عِشق ہی بندگی خُدا کی ہے

اَور کمال یہ ہے کتاب میں بھی بالاہتمام ؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) درج کروایا گیا ہے۔ ایک اَور قطعے میں جہاں حضرت عیسیٰؑ کا نامِ نامی آیا ہے وہاں اُنھوں نے "رح" کتابت کروایا ہے۔ بہرحال۔ یہ بھی احترام کی دلیل ہے۔ اِس قطعے میں اُن کی وسیع المشربی کی جھلک مِلتی ہے۔

مسجد میں سُدھر جاتے ہیں کچھ لوگ اذاں سے
مندر میں سنور جاتے ہیں کچھ عِشقِ بُتاں سے
اُن لوگوں کا کیا چارہ کرے کوئی، اِلٰہی!
جن کو ہو عقیدت نہ یہاں سے نہ وہاں سے

غزل میں سہلِ مُمتنع اَور سادگی کو شعار کر رکھا ہے۔ کچھ شعر ملاحظہ کریں۔ ؎

عِنایت ہے یہ میرے دوستوں کی
مجھے آتا نہ تھا آنسو بہانا

ؔ

بہار اپنی ہے کیا، اپنی خزاں کیا
تمہارا مُسکرانا، رُوٹھ جانا

ؔ

دونوں ہاتھوں سے لُوٹتی ہے ہمیں
کتنی ظالم ہے تیری انگڑائی!

مِلاپ میں کبھی تیری ہم سے بے رُخی نہ گئی
تمام عمر ہمیں تیرا اِنتظار رہا

٭

مُجھے نہ غم تھا، نہ دُکھ تھا، نہ درد تھا کوئی
تیرے قرار کی خاطِر میں بے قرار رہا

٭

میری دُعا ہے کہ جگؔر صاحب کا نیا مجمُوعۂ کلام بھی پہلے مجمُوعوں کی طرح اَدبی دُنیا میں خُوب پذیرائی حاصِل کرے۔ آمین!

ماہرِ غالبیات
کمالی داس گپتا رضاؔ

جگرؔ نکتہ فہم پاک نظر

جگرؔ جالندھری کے چار مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے تھے۔ سوزِ جگرؔ (۱۹۷۲ء) لختِ جگرؔ (۱۹۷۹ء) خونِ جگرؔ (۱۹۸۴ء) اندازِ جگرؔ (۱۹۸۷ء ہندی) اور مَیں نے شکر ادا کیا تھا کہ اپنے مختصر مضمون کا عنوان "دردِ جگرؔ" رکھ سکوں گا۔ مگر جگرؔ صاحب نے تڑاق سے اپنا پانچواں مجموعۂ کلام "دردِ جگرؔ" مرحمت فرما دیا۔ میرے لئے سوائے اِس کے اور کوئی رستہ نہ چھوڑا کہ مَیں "دردِ جگرؔ" سے صرف لذّت یاب ہوں۔ اور اب ۔ ع

"دِل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذّت یاب ہے"

اِس بات کے اعلان کرنے کا مدّعی بھی ہے کہ اُسے صحیح عنوان ہاتھ آ گیا۔

اُردو غزل میں میرؔ اور غالبؔ کا نام مِٹانے سے بھی نہیں مِٹ سکتا۔ مگر یہ جان لیجیے کہ میرؔ کا لگ بھگ دو تہائی کلام رطب و یابس سے بھرا پڑا ہے۔ اور باقی کا ایک تہائی کلام ہی ہے جو میرؔ کو میرؔ بنائے ہوئے ہے۔ غالبؔ نے اپنے پورے کلام کا تقریباً ساٹھ فی صد اپنے ہاتھوں سے ضائع کر دیا تھا۔ اور بقیہ چالیس فی صد (۱۸۰۲-اشعار) بھی مزید انتخاب ہو کر ہی مقبول ہوئے۔ لیکن آج غالبؔ جس رُتبے پر فائز ہے اُس سے کون واقف نہیں۔ مطلب یہ کہ کوئی شاعر خواہ وہ وہبی یا عظیم ہو ہمیشہ اچھا نہیں کہہ سکتا یا یہ کہ کسی شاعر کے سب اشعار اچھے نہیں ہوتے۔ اِس لئے اگر کسی شاعر کا ایک کڑا انتخاب بھی مشامِ جاں کو معطّر کر سکے تو اُسے اچھا شاعر تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ جنابِ جگرؔ جالندھری کے مجموعۂ کلام کو بھی اِسی نظر سے دیکھا جائے گا۔

اُستاذی قبلہ جوشؔ ملسیانی نے فرمایا تھا ؎

کیا کہا پر ہی نظر اُٹھتی ہے کیوں
دیکھنا یہ بھی تو ہے کیسا کہا

گویا حُسنِ معنی اور حُسنِ بیان دونوں کا موجود ہونا ہی شعر کو بناتا ہے اور ایسے اشعار جن میں یہ دونوں صفات موجود ہوں بہت زیادہ نہیں ہو سکتے بلکہ ایک غزل میں ایسے ایک شعر کی موجودگی بھی اس بات کا ثبوت ہوگا کہ شاعر، شاعر کہلانے کا مستحق ہے۔ یوں بھی جگرؔ صاحب "دردِ جگر" کی اشاعت کے وقت ۵۵ سال کے ہو گئے تھے۔ عمر میں ۵۵ سال کا پیوند لگے تو فوراً زندگی سے مستقبل قریب میں سبکدوش ہونے کا خیال آنے لگتا ہے۔ دفتری لحاظ سے یہ پہلے ہی ملازمت سے ریٹائر ہونے کا زمانہ ہو مگر گلشنِ شاعری میں یہ پھول کھلانے کا زمانہ ہوتا ہے۔ گویا شاعر کے لئے "موسمِ پیری" موسمِ گل ہے۔ اس لئے بلا خوف کہا جا سکتا ہے کہ "دردِ جگر" ۵۵ سالہ جگرؔ صاحب کے باطنی درد ہی کی اشاعت نہیں قاری کے لئے "درمانِ دردِ جگر" کا محضر بھی ہے۔ لہٰذا ہمیں یہاں درد اور درمانِ درد دونوں سے لذت یاب ہونا ہے۔ یاد رہے "درمان" درد سے پہلے ایجاد نہیں ہو گیا تھا۔ درد جاگزیں ہوا تو اس کا درمان نکلا۔ اس لئے یہ کہنا غلط نہیں کہ درد خود درمانِ درد ہے۔ جگرؔ صاحب نے وضاحت سے کہہ دیا ہے۔ ؎

کون سمجھائے چارہ سازوں کو
درد ہے میرے درد کا درمان
درد کی جب کوئی دوا ہی نہیں
کیوں نہ پھر درد کو دوا کہیے

بہت زمانہ پہلے، شاید ۱۹۳۸ء کی بات ہے۔ میں ورنیکلر فائینل کا سرکاری امتحان دینے کے لئے بنگہ (ضلع جالندھر تحصیل نواں شہر) گیا۔ اور لڑکے بھی ہمراہ تھے جاڑوں کے دن تھے۔ ریلوے روڈ کی نکڑ پر حلوائی کی ایک دکان ہوا کرتی تھی۔ صبح کے وقت وہاں چائے پینے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ایک دن جب کہ بھیڑ کم تھی، دکان کے ایک طرف ایک فقیر بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس کے آس پاس تو کوئی ہے ہی نہیں۔ تو پھر وہ کس سے مخاطب ہے؟ اور فقیر برابر کہے جا رہا تھا کہ بھائی ذرا اللہ صبر کر، تھوڑی ہی دیر ہے، داتا تیری سب تکلیف دور کرے گا۔ صبر بھائی صبر" میں نے پوچھا، "بابا آپ کس سے باتیں کر رہے ہیں" فقیر کہنے لگا "دل سے۔ چائے کے لئے بے تاب ہو رہا ہے"۔ اتنے میں چائے آ گئی اور فقیر (یا دلِ فقیر) سیر ہو کر چلتا بنا۔ کیا جگرؔ صاحب نے اس مطلع میں اسی فقیر کے

جذبات کی ترجمانی کی ہے؟ سے

صَبر کر صَبر، اَے دِلِ ناداں!
جَبر ہے چند روز کا مہماں

مَیں اِسے تسلیم نہیں کرتا کہ فکرِ شعر کرتے وقت نقّاد حضرات کے گھڑے ہُوئے اصُولوں کو مدِّ نظر رکھا جائے کیونکہ تخلیقی لذّت کو (جو حقیقت میں لذّتِ دردِ باطن ہی کا دُوسرا نام ہے) نقد و نظر کی حاجت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایسے اشعار میں چاہے نقّاد کے لئے گہری شاعری کے اسباب مَوجُود نہ ہوں مگر قاری کی رُوح کی بالیدگی کے لئے وافر سامان مَوجُود ہے:

اگر رُوپ دیکھوں، ترا رُوپ دیکھوں
اگر یاد آئے، تری یاد آئے

ٌ

کُچھ تو ساماں ہو اَپنے جینے کا
تم نہ آؤ، تمہاری یاد آئے

ٌ

طُوفان تو پہلے بھی کئی دیکھے ہیں دِل نے
اَب کے بڑا بے تاب ہے معلُوم نہیں کیوں؟

ٌ

جی بھر کے یہ رونے بھی نہیں دیتے کسی کو
اَے دِیدۂ تر! تُو نے ابھی غم نہیں دیکھے

ٌ

پیڑ کو تُو کاٹ کر پچھتائے گا
پھُول پھل کیا؟ سائے سے بھی جائے گا

ٌ

توڑتے ہو آئینے کو کس لئے
یہ جو دیکھے گا، دِکھاتا جائے گا

ہوں مبارک تم کو دُنیا داریاں
یہ ہنر ہم سے نہ سیکھا جائے گا

☆

زیرِ لب اُن کا مُسکرا دینا
دِل میں شہنائیاں بجا دینا

☆

بہار اپنی ہے کیا؟ اپنی خزاں کیا؟
تمہارا مُسکرانا، رُوٹھ جانا

☆

تمنّا بڑی عجیب چیز ہے۔ شاعروں نے اِسے الگ الگ نام دِیے ہیں۔ غالبؔ کے اِس لافانی شعر میں تمنّا، افسُونِ انتظار کا نام ہے: ؎

پھونکا ہے کس نے گوشِ محبّت میں اَے خُدا!
افسُونِ اِنتظار، تمنّا کہیں جسے

مگر جگرؔ صاحب نے جو معنی پہنائے ہیں وہ اِس سے پہلے سُننے میں نہیں آئے۔ فرماتے ہیں: ؎

زِندگی بھر نہ ہم کو چین مِلا
کوئی طُوفاں تھا یا تمنّا تھی

یعنی زِندگی کو تمنّا کے سبب تلاطم ہی تلاطم کا سامنا رہا۔

ایک لطیفہ بھی سُن لیجئے۔ میں اُستاذی قبلہ جوشؔ ملسیانی مرحُوم کے دولت کدے پر ۱۶ اپریل ۱۹۶۳ء کو حاضر ہُوا۔ باتوں باتوں میں میں نے کچھ غیر مطبوعہ کلام کی فرمائش کر دی۔ فرمایا کہ: جارج پنجم کے اِنتقال (۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء) کی خبر پہنچی تو ہمارے اسکول میں جس میں میں معلّم تھا۔ چھٹی کا اعلان کر دیا گیا۔ طلبا تو خوش تھے ہی ٹیچر بھی خوش ہوئے تھے۔ اِتنے میں اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہانڈہ کا حکم آگیا کہ ٹیچروں کو چھٹی نہیں ہوگی۔ میں نے فوراً یہ شعر کہہ کر دِل کی بھڑاس نِکالی: ؎

تمنّا تھی کہ گھر جا کر کریں گے حلوے مانڈے پر
مگر افسوس صد افسوس اِس کم بخت ہانڈے پر

یہاں "تمنا کفی" کے ٹکڑے سے جو حسرت اور ناکامی ٹپک رہی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ۔

جگر صاحب دبستانِ جوش ملسیانی یعنی خاندانِ داغ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے اُن کی شاعری پر ان کا اثر ہونا لازمی تھا۔ نتیجتاً حُسنِ بیان جگر صاحب کے یہاں بیشتر مقدم رہتا ہے ۔ کہیں کہیں اپنے ہی خاندان کے اساتذہ کے اشعار کو اپنے لفظوں میں پیش کیا ہے اور حق ادا کیا ہے ۔ جیسے ذوق کا مشہور شعر ہے : ؎

اُن کے گھر لے چلا مجھے ۔ دیکھو
دلِ خانہ خراب کی باتیں

جگر صاحب کہتے ہیں ۔ ؎

عشق تو وادیِ دلدار ہے ۔ دل !
تو کہاں مجھ کو لئے جاتا ہے

جوش ملسیانی ۔ ؎

آدمی ہیں شمار سے باہر
قحط ہے پھر بھی آدمیت کا

جگر صاحب اس پر اضافہ کر کے کہتے ہیں ۔ ؎

آدمی کچھ بھی نہیں ہے آدمیت کے بغیر
پھول وہ کیا پھول ہے جس پھول میں نکہت نہیں

نوح ناروی کی ایک مشہور غزل کے دو شعر دیکھئے ؎

اپنے جینے کا طور کچھ بھی نہیں
سانس چلتی ہے اور کچھ بھی نہیں

زندگی دیکھنے میں سب کچھ ہے
دیکھئے جو بغور کچھ بھی نہیں

جگر صاحب کے یہاں دونوں اشعار کا مفہوم موجود ہے ۔ ؎

زندگی کی بنا ہے سانسوں پر
شمع یہ جلتی ہے ہواؤں میں

اے شمعِ زندگی! تجھے دیکھا ہے غور سے
انجام کچھ نہیں، ترا آغاز کچھ نہیں

✿

ایسی مشابہت عموماً دو وجہوں سے در آتی ہے۔ اوّل مطالعہ جس کے دوران میں بعض مفاہیم ذہن کے کسی گوشے میں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ دوم رنگِ شاعری کے محدود موضوعات جن کا اعادہ بار بار ہوتا ہے۔ ایسی مثالیں کسی بھی شاعر کے کلام میں تلاش کی جا سکتی ہیں۔

جگر صاحب شعر کے حسن و قبح سے بخوبی واقف ہیں۔ اگرچہ انہوں نے غزل کے علاوہ دوسری اصناف میں بھی کہا ہے مگر صحیح یہی ہے کہ وہ غزل کے شاعر ہیں اور اس صنف کے نکات کو انہوں نے چابکدستی سے برتا ہے۔ گہرے جذبات اور غزل کی اداؤں کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے پر انہیں مہارت حاصل ہے۔ خاموشی کی لذت لبِ گل ہی لے سکتا ہے۔ اسی طرح ان کے بعض اشعار کا لطف زبان کا مزاج داں ہی لے سکتا ہے: ؎

رات دن پتھروں کی بارش ہے
ایک دل کی شکستگی کے لیے

✿

زندگی کو نکھارتے ہیں غم
یہ اندھیرے ہیں روشنی کے لیے

✿

جانے والے! یہ بات یاد رہے
ہم کو آساں نہیں بھلا دینا

اے خدا! بارشِ کرم کے ساتھ
اک سمندر کا حوصلہ دینا

یاد کی ٹیس تھم جاتی ہے
وقت سے زخم تو بھر جاتے ہیں

یہ شرف پھول ہی کو حاصل ہے
ورنہ ہنستا ہے کون خاروں میں

٭

بنے ہیں پھول دِل کے داغ کھِل کر
دِلِ ناکام کام آنے لگا ہے

٭

آشیانے میں جذب کر اُن کو
بچ کے واپس نہ بجلیاں جائیں

٭

دِل تڑپ کر اُنہیں تڑپاتا ہے
پیار میں لُطف بڑا آتا ہے

٭

کب وُہ رُکتے ہیں کسی منزل پر
جن کو چلنے میں مزا آتا ہے

٭

میری نظروں میں سمانے والے!
مُجھ سے چُھپ چُھپ کے کہاں جاتا ہے

٭

اُن سے بہتر ہے تصوّر اُن کا
جب بُلاتا ہُوں، چلا آتا ہے

٭

جگر صاحب سیدھی سادی، واضح شاعری کرتے ہیں۔ نہ ہی ادق مضامین میں
د اُلجھتے ہیں نہ قاری کو اُلجھاتے ہیں۔ فلسفہ نہیں بگھارتے۔ زمین سے جُھک کر آسمان
باتیں نہیں کرتے۔ بھاری بھرکم تراکیب و الفاظ سے اشعار کو بوجھل نہیں بناتے۔

وہ سودا گرِ "دردِ جگر" ہی سہی مگر "راحتِ جاں" بیچتے ہیں۔

نوٹ : مرقومہ بالا مضمون کے بعد برادرِ مکرّم جناب رضا صاحب نے دُعا کے ساتھ "پروازِ جگر" کی تکمیل کے سلسلے میں مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ مرحمت فرمایا۔ چند ناگزیر حالات کے سبب یہ مجموعہ ۱۹۹۶ء میں منظرِ عام پر نہ لایا جا سکا۔ بہر حال رضا صاحب کے شکریے کے ساتھ دُعا اور قطعہ کتاب میں شامل کئے جاتے ہیں۔

جگر جالندھری

"محبِ گرامی جگر جالندھری کے مجموعۂ کلام
کی
تکمیل پر قطعۂ تاریخ"

جگر صاحب کے کئی شعری مجموعے چھپ کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور ایک مضمون میں میں ان کے کلام کا کسی قدر تفصیل سے تعمیری جائزہ بھی لے چکا ہوں۔ جگر صاحب دبستانِ جوش (تلمیذ داغ دہلوی) سے تعلق رکھتے ہیں اور ان تمام قدروں کے محافظ ہیں جو اِس دبستان کا طُرۂ امتیاز ہیں۔

اب اُن کا نیا مجموعۂ کلام مارکیٹ میں آنے والا ہے جس کی کامیابی اور ہر دلعزیزی کے لئے بے ساختہ دِل سے دُعا نکلتی ہے۔ اِس موقع پر ایک مختصر قطعۂ تاریخ بھی ذہن میں آ گیا ہے۔ جسے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

جگرِ نکتہ فہم پاک نظر ؛ تجھ کو تازہ دماغ میں نے کہا
۱۹۹۶ء

تازہ گل ہائے فکر کو تیرے ؛ "زندگی بخش باغ" میں نے کہا"
۱۹۹۶ء

کرشن بہاری نُور

شاعرِ خُوش فکر
جگرؔ جالندھری

دھرم پال جگرؔ جالندھری کو مَیں نے کئی مشاعروں میں سُنا بھی اور اُن کے مجمُوعۂ کلام "دردِ جگر" کا بغور مطالعہ بھی کیا۔ دونوں ہی صُورتوں میں اُن کے کلام نے اپنی جانب متوجّہ کیا ہے۔ ایسا کم ہی ہوتا ہے۔ شاید یہ خوبی ہی اچھّی شاعری کی پہچان ہوتی ہے۔ "دردِ جگر" میں کچھ شعر تو عام روِش سے بالکل ہٹ کر نظر آتے ہیں۔ چند اشعار مُلاحظہ ہوں : ؎

دامن اگر ہے صاف تو خاص احتیاط رکھ
اِس سے ذرا سا داغ چھُپایا نہ جائے گا

⁂

آپ سے صُلح کرنے کی خاطر
ہم نے خُود سے بڑی لڑائی کی

⁂

وُہ ہمارے نہ بن سکے، لیکن
اُن کو اپنا بنا لیا ہم نے

⁂

ہم کنوئیں کی تلاش میں نکلے
جب نہ پانی کی بُوند پاس رہی

سچ تو یہ ہے کہ اپنی بھلائی سے تھی غرض
ہم لوگ دوسروں کا بھلا مانگتے رہے

بندہ پرور! آپ کی فیاضیاں بے کار ہیں
آپ سے محروم ہے وہ جو ضرورت مند ہے

جس نے ٹھکرایا ہے اس دہر کی ہر دولت کو
اس کی نظروں میں کوئی اور ہی دولت ہوگی

کون سے ہم بھی اتنے اچھے ہیں
کیوں کسی کو جگرؔ! برا کہیے؟

آپ نے دیکھا ان تمام اشعار میں کہیں زبان کی دلکشی ہے، کہیں مٹتی ہوئی قدروں کو اجاگر کرنے کی کوشش، کہیں حق گوئی کی مشعل نظر آتی ہے تو کہیں معاملاتِ حسن و عشق کی اعلیٰ سطح کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ دراصل جگرؔ صاحب نے اس عہد میں اردو شاعری کو قبولِ عام ہونے کے لئے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ کم سے کم فارسی اور عربی الفاظ اظہارِ فکر و خیال میں آئیں اور جہاں تک ممکن ہو اضافتوں سے دامن بچائے رکھیں۔ واقعی جگرؔ صاحب نبض شناسِ زمانہ ہیں۔ اردو شاعری کے مزاج کو نظر میں رکھتے ہوئے انہوں نے بڑی فنکاری کے ساتھ اپنا مقام ادب کی دنیا میں حاصل کر لیا ہے۔ غور فرمائیے۔ "دردِ جگر" میں غزل کے تقریباً چار سو پچاس[۴۵۰] اشعار ہیں اور تمام اشعار میں شاید چالیس[۴۰] پچاس[۵۰] اضافتیں آئی ہیں۔ ان میں بھی بیشتر ایسی ہیں (کثرتِ استعمال سے) جیسے۔ دردِ دل، نگاہِ شوق، میرِ محفل، دیدۂ تر، زیرِ لب اور بارشِ کرم وغیرہ وغیرہ۔

پوری کتاب میں کہیں کوئی خامی فن کے اعتبار سے ڈھونڈے نہیں ملتی۔ صاف ستھرا کلام اس بات کی غمازی بھی کرتا ہے کہ ان اشعار کے خالق یعنی جگرؔ جالندھری کس قدر شریف اور بلند کردار انسان ہیں۔ پروردگار انہیں لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ اردو کے خزانے میں بیش بہا اضافہ ہو سکے۔ آمین!

ندا فاضلی

محبت کی زبان کا معتبر شاعر

جگر جالندھری اردو کے پختہ مشق شاعر ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد پنجاب میں جو چند نام اردو زبان کی آن بان کا اعلان کرتے رہے ہیں ان میں ایک معتبر نام جگر جالندھری کا ہے۔

جگر صاحب کا شعری مزاج، غزل کی کلاسیکی شائستگی کے قریب ہے۔ لیکن اس قربت نے انہیں اپنے عہد کی پیچیدگیوں سے کبھی دور نہیں کیا۔ انہوں نے محبت کی زبان میں وہ سب کچھ بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس سے آج کی زندگی عبارت ہے۔

جگر صاحب غزل کی تہذیب اور اس کے شعری تقاضوں سے بجا طور سے واقف ہیں۔ وہ سیدھے سپاٹ الفاظ کی جگہ اشاروں اور کنایوں کا انداز اپناتے ہیں۔ اور موضوع و اظہار کے جمالیاتی توازن سے شعروں کو تہہ دار بناتے ہیں۔

پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی اور تلوک چند محروم کے پنجاب میں غزل میں زبان و بیان کا وہ حسن جو اب یادِ رفتگاں بنتا جا رہا ہے، جگر کی غزلوں سے جھانکتا محسوس ہوتا ہے۔

آج کے فیشن یافتہ لڑکھڑاتے ڈگمگاتے لہجوں کی بھیڑ میں جگر صاحب کی شعری آواز کا رکھ رکھاؤ اور اس کا غنائی رچاؤ اندھیروں میں روشن ستاروں کے سمان ہے۔ مجھے یقین ہے ان کے دیگر شعری مجموعوں کی طرح یہ نیا مجموعہ بھی دنیائے ادب میں اپنا جائز مقام و مرتبہ حاصل کرے گا۔

صابر ابوہری
صدر انجمن ترقی اردو (ہند)
جمنا نگر

شاعرِ معجز نگار
جگر جالندھری

آج سے کوئی ساٹھ برس پہلے ۱۹۳۵ء میں کسے خبر تھی کہ ضلع امرتسر کے ایک چھوٹے سے گاؤں سارنگدیو میں پیدا ہونے والا لڑکا دھرم پال چالیس سال بعد جگر جالندھری کے روپ میں آسمانِ شاعری پر ماہتاب بن کر چمکے گا۔ اور اردو دنیا میں پنجاب کا نام روشن کرے گا۔ جگر کو صرف پنجاب ہی نے نہیں بلکہ اتر پردیش کی کل ہند میر اکیڈمی نے بھی، جہاں کے لوگ اردو ادب میں خاص کر شاعری کے میدان میں پنجاب تو کیا اہلِ دہلی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، "امتیازِ میر" ایسے پُر افتخار اعزاز سے نوازا ہے۔ یہی نہیں انہیں ہندوستان کے راشٹرپتی کی جانب سے بھی راشٹرپتی بھون میں اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔

لیکن ایسا نہیں ہے کہ یہ سب اعزاز اور شرومنی ساہتیہ کار کا خطاب (جو صوبے کا سب سے اونچا ادبی اعزاز ہے) انہیں فی سبیل اللہ مل گئے ہوں۔ اس کے لیے انہوں نے سرسوتی دیوی کی دن رات پوری عقیدت کے ساتھ پوجا کی ہے اور جانشینِ داغ قبلہ جوش ملسیانی اور اُن کے شاگرد رشید جناب ساحر سیالکوٹی سے ایک سچے طالب علم اور سعادت مند شاگرد کی طرح رموزِ فن سیکھے اور مسلسل ریاض کیا۔ اور پھر اپنی خداداد قابلیت کے سہارے دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر کے شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے۔ اپنی اس لگن کا انہوں نے خود اس طرح اظہار کیا ہے۔ ؎

نہیں شعر و سخن سے سرسری وابستگی میری
یہی ہے بندگی میری یہی ہے آدمی میری

٭

تخلیق کیا میں نے اسے اپنے لہو سے
کہتے ہیں جسے شعر مرا لختِ جگر ہے

٭

اُستادالاساتذہ ابوالفصاحت قبلہ جوشؔ ملسیانی نے ۶۰-۱۹۵۹ء میں جب رئیس المتغزلین علی سکندر جگرؔ مُرادآبادی کا دُنیائے ادب میں طُوطی بول رہا تھا اِن کو بھی جگرؔ تخلص عطا کیا تو یہ کوئی اتفاقی امر نہیں تھا بلکہ اُن کی مردم شناس نظر نے پہچان لیا تھا کہ یہ نوجوان کوئی عام ادیب نہیں ہے۔ یہ دو ایک دہائیوں کے بعد ہی غزل گوئی کے میدان میں اپنا نام پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جگرؔ قبلہ کی توقعات پر پُورے اُترے اَور اُنہوں نے نہ صرف اَدبی معرکوں میں امتیازات حاصل کیے بلکہ سوزِ جگرؔ، لختِ جگرؔ، خُونِ جگرؔ، اندازِ جگرؔ، اور دردِ جگرؔ، ایسے کتنے ہی شعری مجموعے یکے بعد دیگرے شائع کر کے اَربابِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کیا اور مُلک کی متعدد اکیڈمیوں نے اِن کو گراں قدر اِنعامات سے نوازا۔ اِس سلسلے میں اُن کا یہ دعوٰے نہ تو بے جا اور نہ ہی فقط شاعرانہ تعلّی :

کیوں نہ ہوں مخمُور اِس سے اہلِ بزم
میرا اِک اِک شعر ہے جامِ شراب

جگرؔ کی محبُوب صنف تو غزل ہی ہے لیکن نظم نگاری اور قطعہ گوئی کے میدان میں بھی اُنہوں نے اپنی قابلیت اَور فن کاری کے جوہر دِکھائے ہیں۔ نظموں میں زِندگی، قومی یک جہتی، جذبۂ حُبّ الوطنی، ہندی نوجوانوں سے اور "انتظار" خاص طور پر قابلِ ذِکر ہیں۔ قطعات میں اِنسانی فِطرت اور زِندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے اور شاعری کا پُورا پُورا حق اَدا کیا گیا ہے۔ مُلاحظہ فرمائیں یہ دو ایک مثالیں :

پھول کتنا بھی خوبصورت ہو
اُس میں نکہت نہیں تو کچھ بھی نہیں
لاکھ جوہر ہوں آدمی میں، اگر
آدمیت نہیں تو کچھ بھی نہیں

کون سُنتا ہے صاف گوئی کو
صاف گوئی سے کر لے توبہ جگرؔ!
ورنہ منصُورؔ کی طرح اِک دِن
تجھ کو چڑھنا پڑے گا سُولی پر

جگرؔ کا تعلق چونکہ جوشؔ اسکول سے ہے اس لیۓ اِن کی زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے۔ یہ حسنِ بیان کے ساتھ ساتھ حسنِ معنی کا بھی خیال رکھتے ہیں اور روزمرّہ اور محاورہ کا استعمال بھی نہایت چابکدستی سے کرتے ہیں۔ الفاظ کا اِنتخاب اور اُن کے اِستعمال کا موقع اور محل بھی یہ ایک مرصّع ساز کی طرح خوب جانتے ہیں۔ اِس لیۓ اِن کے الفاظ نگینے نظر آتے ہیں اور اکثر اشعار جواہر پارے بن جاتے ہیں۔ جو سُنتے ہی دِل میں گھر کر لیتے ہیں۔ جگرؔ اپنے کلام میں ہندی الفاظ کا استعمال بھی نہایت سلیقے کے ساتھ کرتے ہیں جو شعر میں لوچ اور مٹھاس بھر دیتے ہیں۔

جگرؔ کی خوش بیانی، قادرالکلامی اور فن کاری کی پدم شری قبلہ جوشؔ ملسیانی اور سحر البیان ساحرؔ سیالکوٹی کے علاوہ کتنے ہی دوسرے مشہور تنقید نگاروں، عظیم شاعروں اور نامور ادیبوں نے تعریف کی ہے۔ پاکستان کے ڈاکٹر وزیر آغا اور قتیلؔ شفائی بھی اِن کی شاعری کو لائقِ تحسین قرار دیتے ہیں۔ اور سحابِ سخن ابرؔ احسنی گنوری، ممتاز الشعراء ساحرؔ ہوشیار پوری، لسان الاعجاز اُودے سنگھ شائقؔ اور عرشؔ ملسیانی نے بھی اِن کی شیریں کلامی اور نغز گوئی کو سراہا ہے۔

جگرؔ صاحب اپنا ایک نیا مجموعہ ترتیب دے رہے ہیں۔ دُعا گو ہوں کہ یہ مجموعہ بھی اُن کی پہلی تصانیف کی طرح قبولِ خواص و عوام کی سند حاصل کرے۔ آمین!

کس وقت تری یادوں کے میلے نہیں ہوتے
ہم ہو کے اکیلے بھی اکیلے نہیں ہوتے

واپس انہیں لے جاتی ہے کیوں موت عدم کو
دو روز بھی دنیا میں جو کھیلے نہیں ہوتے

رہ جاتے ہیں جن لوگوں کے ارمان ادھورے
وہ مر کے بھی دنیا سے اکیلے نہیں ہوتے

ملنے کی طرح ملتا نہیں کوئی کسی سے
مجمعے تو بہت ہوتے ہیں، میلے نہیں ہوتے

ان آنکھوں کی دو بوندوں میں ہوتے ہیں جو طوفاں
دریاؤں کے پانی میں وہ ریلے نہیں ہوتے

اس غم کا نہ جانے ہمیں کیوں غم نہیں ہوتا
ہم جس میں گرفتار اکیلے نہیں ہوتے

کیا خوب ہے عالم ترے دیوانے کا، جس میں
دن رات کے بے کار جھمیلے نہیں ہوتے

جذبات کا کیا کام جگر! مردہ دلوں میں
سوکھے ہوئے دریاؤں میں ریلے نہیں ہوتے

○

کچھ غم مرے دل سے بھی سنبھالے نہیں جاتے
آنسو بھی اُنہیں ساتھ بہالے نہیں جاتے

یہ سوچ کے رہنے دیا ارمانوں کو دِل میں
مہمان کبھی گھر سے نکالے نہیں جاتے

کر دیجئے آپ اُن کو محبّت کے حوالے
جو لوگ زمانے سے سنبھالے نہیں جاتے

غم ہو کہ خُوشی آنکھ میں آجاتے ہیں آنسو
دُکھ سُکھ میں مِرے چاہنے والے نہیں جاتے

کل تک جو اندھیروں سے پریشان بہُت تھے
آج اُن سے اُجالے بھی سنبھالے نہیں جاتے

یہ وقت فقط پاؤں کے چھالوں کا ہے مرہم
پڑ جاتے ہیں جو دِل میں وہ چھالے نہیں جاتے

اِک وقت تھا پی جاتا تھا سَو غم کے سمندر
دو اشک بھی اب مجھ سے سنبھالے نہیں جاتے

تو ہر جگہ موجود ہے، جن کو یہ خبر ہے
کعبے نہیں جاتے وہ شِوالے نہیں جاتے
اوروں کو سنبھالیں تو جگر! کیسے سنبھالیں
ہم آپ ہی جب خود سے سنبھالے نہیں جاتے

٭

دِل کی تسکین

پیار کا احترام کرکے تو دیکھ!
زندگی اس کے نام کرکے تو دیکھ!
دِل کی تسکین ڈھونڈنے والے!
تو کوئی نیک کام کرکے تو دیکھ!

توقعات

ہو صرف ایک نام زبانوں پہ صبح و شام
وقت ایسا آیا ہے نہ کبھی ایسا آئے گا
اتنی توقعات نہ دُنیا سے باندھیے
مایوسیوں کا بوجھ اُٹھایا نہ جائے گا

○

وقتِ رُخصت ایک آہِ سرد بھر کر رہ گیا
یُوں کہانی زندگی کی کہنے والا کہہ گیا

بڑے آرام سے پانی کی بُوندیں کہہ گیا
مجھ سے پُوچھ اِن آنسوؤں میں میرا کیا کچھ بہہ گیا

آپ کی تعریف میں جس وقت سب کچھ کہہ گیا
مجھ سے دِل کہنے لگا "باقی بہت کچھ رہ گیا"

یاد رکھیئے آخری منزِل سبھی کی ایک ہے
آنکھ سے گِرتا ہُوا ہر اشک ہم سے کہہ گیا

موت آئی اور میری زندگی کو لے گئی
مَیں کھڑا اِس حادِثے کو دیکھتا ہی رہ گیا

اب مجھے دِل کے دھڑکنے کی صدا آتی نہیں
دھیرے دھیرے آنسوؤں کے ساتھ شاید بہہ گیا

سوچتا ہُوں پھول کی پتّی سے بھی نازک یہ دِل
پتھروں کی بارِشوں میں کیسے زِندہ رہ گیا

کر دیا بے اِختیار اُن کی توجّہ نے مُجھے
جو نہ کہنا چاہیئے تھا وُہ بھی اُن سے کہہ گیا
جو کبھی کہنا چاہتے ہو وُہ اگر تُم کہہ گئے
پھر تُمہارے پاس کہنے کے لئے کیا رہ گیا؟
پھُول لگنے سے کبھی رونے لگا دِل زار زار
چوٹ پتّھر کی کبھی یہ ہنستے ہنستے سہہ گیا
کیا کلیجہ تھا کہ اپنی زندگی کے درد کو
اِک لطیفے کی طرح وُہ ہنستے ہنستے کہہ گیا!
اَے جِگؔر! سلے کِس طرح ہو زِندگانی کا سفر
ایک کانٹے کو نِکالا، ایک کانٹا رہ گیا

☆

آدمی

پھُول کِتنا بھی خُوبصُورت ہو
اُس میں نکہت نہیں تو کُچھ بھی نہیں
لاکھ جوہر ہوں آدمی میں، اگر
آدمیّت نہیں تو کُچھ بھی نہیں

☆

○

لایا طوفان سے بچا کے مجھے
مار ا ساحل پہ اُس نے لا کے مجھے

تیرے کام آنے والا پتھر ہوں
پھولوں کلیوں میں رکھ سجا کے مجھے

ہر جگہ پہنچے تو محبّت کی
رکھ دے ایسی جگہ جلا کے مجھے

خاک میں مل گئی وفا میری
وہ پریشان ہیں ستا کے مجھے

میں دھواں دینے والی لکڑی ہوں
کیا ملے گا تجھے جلا کے مجھے؟

کیسے نا مہرباں کہوں اُس کو
وہ ہنساتا بھی ہے رُلا کے مجھے

میں تو پتھر نہ تیری راہ کا تھا
خوش ہے تو کیوں پرے ہٹا کے مجھے؟

سونا چاندی نہ ہیرا موتی ہوں
کون خوش ہو گلے لگا کے مجھے

خشک پتّے ہیں، تیز آندھی تو
ناز کیوں ہے تجھے اُڑا کے مجھے؟
رُوٹھنے کی ادا بدل دے گا
لطف آتا نہیں منا کے مجھے
زندگی بھر ستایا جس نے جگرؔ!
رو رہا ہے گلے لگا کے مجھے

٭

سیرتِ نیک

مِٹ کے بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے
نیک انسان نیک سیرت کو
مسلے جانے کے باوجود گلاب
ترک کرتا نہیں ہے نکہت کو

٭

○

جان اپنی بے طلب دے دیجئے
کیجئے تو یوں محبت کیجئے

ہم نقیروں کی دعائیں لیجئے
چاہنے والوں کو چاہا کیجئے

دل سے کہیے، دل سے سنیے دل کی بات
بات گھر کی گھر میں رہنے دیجئے

دوستی کی حد نہیں ہوتی کوئی
دشمنوں سے بھی محبت کیجئے

آنسوؤں کو روکنا اچھا نہیں
کارواں چلتا ہے چلنے دیجئے

زندگی سب سے بڑا انعام ہے
اس کو سر آنکھوں پہ رکھا کیجئے

زندہ رہیئے آبرو و عزّت کے ساتھ
اشک جب گرنے لگے، پی لیجیئے

دے کے دل کیوں رکھیئے اُمّید وفا
کیوں محبّت کی تجارت کیجیئے؟

زندہ رکھنے کو جگر کا نام وفا
زہر اگر پینا پڑے، پی لیجیئے

٭

خام خیالی

دن نے آرام مرا چھین لیا
رات نے نیند چُرالی میری
پھر بھی کہتا ہوں کہ میں زندہ ہوں
دیکھئے خام خیالی میری

٭

○

اِک جھوٹ ہے سراسر اُس شخص کی کہانی
کہتا ہے جو خوشی سے کٹتی ہے زندگانی"
پھولوں کا مسکرانا، شبنم کا روتے جانا
کوئی سُنا رہا ہے تیری مری کہانی
وہ بجھتے بجھتے دیپک، یہ مہکی مہکی کلیاں
وہ بھی ہے زندگانی، یہ بھی ہے زندگانی
یہ اشک، آہیں، نالے کب تک کوئی سنبھالے
چلائے کیوں نہ انساں جب سر سے گزرے پانی
سب کو گلے لگالے، گرتوں کو جو سنبھالے
کہیئے اُسے محبّت، کہیئے اُسے جوانی
علم و ادب کی کھیتی اِن سے ہری بھری ہے
یارب! کبھی نہ سوکھے گنگ و جمن کا پانی
محفل ہے دوستی کی، چرچے ہیں دُشمنی کے
دربار رام کا ہے، راون کی ہے کہانی

اِس آب و گِل پہ ناداں! کیوں اِس قدر ہے نازاں؟
اُڑ جائے گی یہ مٹی، بہہ جائے گا یہ پانی

نام اپنا تم نکالو، دُنیا کا نام ڈالو
خواہش اگر ہے تم کو دُنیا سُنے کہانی

موت اور زِندگی سے، کیسے بچاؤں خُود کو
آگے جِگر! قضا ہے، پیچھے ہے زِندگانی

غرُور نہ کر

مال و دولت پہ تُو غرُور نہ کر
شان و شوکت پہ تُو غرُور نہ کر
تیری قِسمت کسی کے ہاتھ میں ہے
اپنی قِسمت پہ تُو غرُور نہ کر

دِل سے نکلیں گے خیالوں میں چلے آئیں گے
ہم کوئی وقت نہیں ہیں کہ گزر جائیں گے

رازِ غم ہم کسی صورت نہ چھپا پائیں گے
ہوئے خاموش اگر دوست سمجھ جائیں گے

تبصرہ کیجئے کیا یاروں کی اُلفت پہ ابھی
وقت پڑنے ہی پہ سچ فیصلہ کر پائیں گے

دیکھنے والوں کا ارمان نہ پورا ہوگا
دیکھنے والے تمہیں دیکھتے رہ جائیں گے

زِندگی چاہیئے دُکھ، درد، مُصیبت کا ہے کیا؟
وقت کے ساتھ یہ موسم بھی بدل جائیں گے

وہ پلٹ آئے ہیں، خوشیاں بھی پلٹ آئیں گی
صُبح آئی ہے، اُجالے بھی چلے آئیں گے

سب کو ٹھکرا کے ہم آئے ہیں تری چوکھٹ پر
تو نے ٹھکرا دیا ہم کو تو کدھر جائیں گے

غم نہیں اُس کی محبت میں جو ہم ڈوب گئے
اپنے بیڑے تو جگر! پار اُتر جائیں گے

○

پھاگن نے مرے آنگن، کیا ہولی کھیلی ہے!
گیندے کے ہاتھوں میں، چمپا کی ہتھیلی ہے

تم دوست ہمارے ہو، سو جان سے پیارے ہو
غم دو کہ خوشی ہر شے خوش ہو کر لے لی ہے

اے دل! شرمندہ ہوں، بولوں تو کیا بولوں
تو نے مری صحبت میں، تکلیف ہی جھیلی ہے

اے دوست! مقدر کا، اوروں سے گلہ کیسا
اپنی ہی لکیریں ہیں، اپنی ہی ہتھیلی ہے

ساقی! تری محفل میں، پیاسا ہی نہیں کوئی؟
یا تو نے پیاسوں کی، پیاس آپ ہی لے لی ہے

سوچ اے میرِ محفل! مسرور ہے اک اک دل
رونے کو سرِ محفل، اک شمع اکیلی ہے

سو رنج دے مجھ کو، سو داغ دے مجھ کو
سوچا نہ جگر! اس نے یہ جان اکیلی ہے

⁂

○

کوئی حسرت ہے نہ اب ارمان ہے
زندگی تو ہے مگر بے جان ہے

پیار میرا دین ہے ایمان ہے
یہ کلامِ پاک کا فرمان ہے

خوف کھائیں کیوں کسی طوفاں سے ہم
زندگی سب سے بڑا طوفان ہے

اتنا دلکش پھول ہو سکتا نہیں
اس میں تو ہے با تری مسکان ہے

تجھ سے ملنے کی خوشی کے سامنے
جان کا نقصان کیا نقصان ہے!

اب کوئی غم میرے پاس آتا نہیں
آپ کے غم کا بڑا احسان ہے

موت سے ڈرتا رہے گا آدمی
موت کے پنجے میں جب تک جان ہے

دے کے واپس لینے کا مطلب ہے کیا
یا الٰہی! زندگی تو دان ہے
موت سے ملتی ہے تازہ زندگی
موت بھی تو آدمی کی جان ہے
زندگی کی کیوں نہ ہم خاطر کریں؟
یہ ہماری اے جگر! مہمان ہے

٭

ساقیا!

سب کی حسرت کب نکالی جائے گی؟
سب کے دل سے کب دعا لی جائے گی؟
کب توجہ ہو گی سب پر ساقیا!
سب کے لب تک کب پیالی جائے گی؟

اندھوں کی نگری

پیار کی باتوں سے کیا ان کو غرض
دل میں جو کینے لیے پھرتے ہیں؟
کس لیے اندھوں کی نگری میں جگر!
آپ آئینے لیے پھرتے ہیں؟

○

جب کوئی بے گناہ روتا ہے
میرے سینے میں درد ہوتا ہے
زندگی پھول بھی ہے شبنم بھی
کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے
کبھی تڑپے نہ تو اگر سمجھے
جو بھی ہوتا ہے ٹھیک ہوتا ہے
ابرِ رحمت سے کم نہیں آنسو
سینکڑوں کے گناہ دھوتا ہے
دردمندوں کے اشک پی جانا
گنگا جل کے سمان ہوتا ہے
مسکراتا ہے کوئی طوفاں میں
کوئی ساحل پہ بیٹھا روتا ہے
نہیں ملتا نصیب سے بڑھ کر
ہر کوئی اپنی نیند سوتا ہے
حال اپنا سنائیں کس کو جگرؔ!
ہر کوئی اپنا رونا روتا ہے

کوئی منزل نہ کوئی گھر میرا
وقت ہوں کام ہے سفر میرا
میں بدل کر لباس آتا ہوں
زندگی! انتظار کر میرا
راستوں میں بھٹکتا پھرتا ہوں
راہ زن ہے نہ راہ بر میرا
جسم سے پھر بھی چپکے بیٹھا ہوں
جانتا ہوں نہیں یہ گھر میرا
کوئی بھی میرے ساتھ چلتا نہیں
کس قدر ہے کٹھن سفر میرا!
موت بھی مجھ کو مار سکتی نہیں
کیوں ہے مایوس چارہ گر میرا!
جذب ہوگا نہ خون دھرتی سے
کیجیے قتل سوچ کر میرا

ابرِ رحمت برس رہا تھا کہیں
آگ کے شعلوں میں تھا گھر میرا
ہر طرف قحط ہے محبّت کا
کتنا بیمار ہے نگر میرا!
کیا ہُوا دوست ساتھ چھوڑ گئے
ہم سفر ہے جگرؔ! سفر میرا

ب

پیڑ اور انسان

یہ تو قدرت کا ہے اصُول کہ پیڑ
سر جُھکاتا ہے جب پھل آتا ہے
مگر انساں کی ہے عجب فطرت
دولت آتی ہے سر اٹھاتا ہے

تلاشِ بے معنی

کون پوچھے گا تیرے اشکوں کو
درد سے خالی ہیں سب کے سینے!
بھوکے ننگوں کے نگر میں بابا!
بیچنے آیا ہے تو پشمینے!

○

وُہ رُوٹھ کے مَن جائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے
ہم بگڑی بنا پائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

ہم جن کی تمنّا میں یہ دِن کاٹ رہے ہیں
وُہ دِن بھی کبھی آئیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

کچھ کہنے کو ہم اُن کی طرف جا تو رہے ہیں
کچھ کہہ بھی اُنہیں پائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

دُنیا نے ہمیں زخم بہت گہرے دِیے ہیں
تڑپیں گے کہ مَر جائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

افسانۂ دِل سُننے کو مائل تو ہُوئے ہیں
کیا سُن کے وُہ فرمائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

روشن تجھے ہم رکھیں گے اے شمعِ محبّت!
لَو اور بڑھا پائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

…ئی ہے اِدھر موت، اُدھر آئے ہیں وُہ بھی
جائیں گے کہ رہ جائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

جب ایک ہی سُر ہوتا تھا دِل اَور زباں کا
پھر دِن وہ پلٹ آئیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

مِلنے اُنہیں جاتے ہیں ہم آنکھوں میں لیئے اشک
یہ جام چھلک جائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

جو بحرِ محبّت میں جگرؔ! کُود پڑے ہیں
وُہ پار کبھی لگ جائیں گے کچھ کہہ نہیں سکتے

☆

زِندگی کے پردے میں

دِل میں سَو غم چھپائے پھِرتے ہیں
ظاہِرہ مُسکرائے پھِرتے ہیں
اَے جگرؔ! زِندگی کے پردے میں
ہم جنازے اُٹھائے پھِرتے ہیں

نشّۂ تقدیر

اپنی تقدیر پہ تُو ناز نہ کر
یہ نشہ چڑھ کے اُتر جائے گا
آج مغرُور ہے جِس صُورت پر
کل اِسے دیکھ کے ڈر جائے گا

○

جو کبھی کاغذ پہ اُتاری صُورت
بن کے اُبھری وہ تمہاری صُورت

شمع اِک رات سے آگے نہ بڑھی
کون جلتا ہے ہماری صُورت

اَب یہ صُورت ہے کہ ہر صُورت میں
نظر آتی ہے تمہاری صُورت

آپ خیرات نہ دے کر دیکھیں
جھٹ بدل لے گا بھکاری صُورت

ہم نے سُورج کی طرح جل جل کر
اِک زمانے کی نِکھاری صُورت

کبھی پتھّر کو نہ پتھّر سمجھو
اُس میں بستی ہے تمہاری صُورت

آجکل شہر میں بِچ کر چلیے
بدلے پھرتے ہیں بھکاری صُورت

شکریہ! تُو نے مجھے غم دے کر
میری ہستی کی نکھاری صُورت
عید کے چاند کا پھر دیکھنا کیا
جب مُقابل ہو تمہاری صُورت
اے جگرؔ! وقت کی صُورت یہ نہ جا
کب بدل دے یہ مداری صُورت؟

٭

عالمِ جوانی

مہ لقا، مہ جبین ہوتی ہے!
دل کُشا، دل نشین ہوتی ہے!
اے جگرؔ! عالمِ جوانی میں
زیست بے حد حسین ہوتی ہے

زندگی اور کام

کام سونپے مجھے ہزاروں۔ مگر
زندگی صرف چار دن کی دی
سر کو ڈھانپوں کہ پاؤں کو ڈھانپوں
تُو نے چادر بہت ہی چھوٹی دی

○

بند کمرے میں مِری سانس گھُٹی جاتی ہے
کھڑکیاں کھولوں تو زہریلی ہوا آتی ہے

زندگی آنکھوں پہ ہر مجھ سے خفا رہتی تھی
اَب جُدا ہونے لگا ہُوں تو مَری جاتی ہے

کِس کو معلُوم کہ وہ شخص ہے کِس مُشکل میں
جِس کے لب پر بڑی مُشکل سے ہنسی آتی ہے

حادِثے لاکھ ہوں رُکتا نہیں ہستی کا سفر
کِتنے طوفانوں میں یہ ناؤ بڑھی جاتی ہے!

وُہ تو بے تاب ہیں دامن مِرا بھرنے کو، مگر
ہاتھ پھیلاتے ہوئے مجُھ کو حیا آتی ہے

آنے والا ہے بہت جلد زمانہ اپنا
اِسی اُمید پہ عُمر اپنی گزر جاتی ہے

وُہ تو آئی ہے نیا رُوپ تجھے دینے کو
زِندگی! مَوت سے تو کِس لئے گھبراتی ہے

اَے جگرؔ! رہتا ہے جو دِل کی ہر اِک دھڑکن میں
کیوں اُسے سامنے آتے ہوئے شرم آتی ہے

جانا ہے آپ کو جو بصد شوق جائیے
لیکن یہ شرط ہے، نہ ہمیں یاد آئیے

اِک رنگ میں گزار دی تُو نے تمام عُمر
اَے پھُول! تیری وضع کے قربان جائیے

یہ دھیان رکھیے آپ کو نیچے گرا نہ دیں
نیچے گرے ہوؤں کو جب اُوپر اُٹھائیے

پھُولوں سے آپ سیکھیے اندازِ زندگی
جیتے جی دُوسروں کے لئے مُسکرائیے

اِنساں کی جان لے کے نکلتی ہیں حسرتیں
اِن ناگنوں کو سوچ کے دِل میں بسائیے

چھت کے بغیر اِن کا ٹھہرنا مُحال ہے
دیواریں گھر کی سوچ سمجھ کر اُٹھائیے

ساحل پہ تو ملیں گی فقط خالی سیپیاں
موتی کی جستجو ہے تو غوطہ لگائیے

نفرت ہے کتنی پیار سے لوگوں کو اَے جگر!
کہتے ہیں کوئی اور کہانی سُنائیے

○

اَوروں کے تو گھر بہا کر تیز پانی لے گیا
میرے گھر کے ساتھ میری زِندگانی لے گیا

وقت اپنے ساتھ اپنی مہربانی لے گیا
دِن سُنہرے لے گیا، راتیں سُہانی لے گیا

کُچھ ہماری بستیاں سُوکھے کی زَد میں آ گئیں
جو سلامت رہ گئیں، بارِش کا پانی لے گیا

وقت سے پہلے کوئی مرتا نہیں، یہ سوچ کر
قاتِلوں کے درمیاں میں زِندگانی لے گیا

غم نے چھوڑا ہی نہیں رونے تڑپنے کے لئے
دِل کی دھڑکن لے گیا، آنکھوں کا پانی لے گیا

کِس زمانے کا یہ بدلہ وقت نے مجھ سے لیا
پتھّروں کے شہر میں میری کہانی لے گیا

مرنے والا کیا کہے، یہ تو خبر قاتِل کو ہے
زِندگانی دے گیا، یا زِندگانی لے گیا

آج سارے شہر میں چرچے تھے اِتنی بات کے
اِک سمندر سے کوئی دو بوند پانی لے گیا
میرے قاتل کا شکر! مجھ پر بڑا اِحسان ہے
وہ بدلے میں مری چادر پرانی لے گیا

٭

آندھی

تم نے بے شک اُسے نہیں دیکھا
نہ ہماری نظر سے گزری ہے
گرد کہتی ہے سب کے چہروں کی
کوئی آندھی اِدھر سے گزری ہے

چسکا

دِل نظاروں سے کب بہلتا ہے؟
چاند تاروں سے کب بہلتا ہے؟
جِس کو چسکا ہو تیری باتوں کا
وہ اِشاروں سے کب بہلتا ہے؟

ہم بہر حال جیئے جاتے ہیں
موت کو مات دیئے جاتے ہیں
اب خُدا کا بھی مکانوں کی طرح
لوگ بٹوارا کیئے جاتے ہیں
اِک محبّت کی نظر کے صدقے!
سینکڑوں زخم سیئے جاتے ہیں
دُشمنی سینوں میں رکھنے والے
پیار کی باتیں کیئے جاتے ہیں!
دردِ دِل کہنے میں مُشکل نہ پڑے
ساتھ اشکوں کو لیئے جاتے ہیں
پینے والوں کو کوئی ہوش نہیں
جو بھی مِلتا ہے پیئے جاتے ہیں
زہر کِتنا ہے ہمارے اندر!
زہر پی کر بھی جیئے جاتے ہیں

آپ کا خاص کرم ہے مجھ پر
غم کہاں سب کو دِئے جاتے ہیں

وُہ ہمیں داغوں کی دولت دے کر
کتنا خوشحال کئے جاتے ہیں!

سُرخ آنسو ہی سہی مَے نہ سہی
کچھ تو پینے کو دِئے جاتے ہیں

اَے جگرؔ! موت کے زیرِ سایہ
ہم مسرّت سے جئے جاتے ہیں

٭

ناپائداریِ زندگی

زِندگی! ہم سے نہ اِتنا پیار کر
دیر تک یہ رُت نہ رہنے پائے گی
کتنی بھی مضبوط ہو تیری گرفت
موت ہم کو چھین کر لے جائے گی

رنج میں بھی مسکرانا سیکھ لے
زندگی سے دل لگانا سیکھ لے

رونا دھونا چھوڑ شبنم کی طرح
پھول بن، ہنسنا ہنسانا سیکھ لے

ہو بہت تکلیف بھی غم میں اگر
احتراماً مسکرانا سیکھ لے

دشمنی کا دوستی سے دے جواب
دشمنی کو یوں مٹانا سیکھ لے

دوسروں کے گھر کی بربادی کو چھوڑ
اپنے گھر کو گھر بنانا سیکھ لے

اپنی اچھائی، برائی غیر کی
دونوں باتیں بھول جانا سیکھ لے

سر اٹھا کر زندہ رہنا ہے اگر
آرزوؤں کو دبانا سیکھ لے

کر کسی اُجڑے ہُوئے دِل کو نہال
پھول صحرا میں کھلانا سیکھ لے
بزمِ دُنیا میں اُجالوں کے لئے
شمعِ ہستی کو جلانا سیکھ لے
کام آئیں گے ترے آنسو بُہت
اِس خزانے کو بچانا سیکھ لے
رہنا ہے آزادِ ہر غم سے اگر
سازِ دِل پر گنگنانا سیکھ لے
اِک محبّت ہے جگر! اُردو زباں
کاش! اِس کو اِک زمانا سیکھ لے

⁂

اُداس دِل

حُسن رہتا نہیں بہاروں میں
نُور رہتا نہیں ستاروں میں
ایک دِل کے اُداس ہونے سے
کُچھ بھی رہتا نہیں نظاروں میں

ایک ہیں دونوں میری نظروں میں
تو ہی پھولوں میں، تو ہی کانٹوں میں

درد رکھ لے کسی کا دِل میں تو
اَشک رکھ لے کسی کے آنکھوں میں

چاند میں بھی سمٹ کے بیٹھے ہیں ہم
ہمیں پھیلے ہوئے ہیں تاروں میں

مہک اُٹھا ہوں سر سے قدموں تک
کتنی خوشبو ہے میٹھی یادوں میں!

ختم ہو گی نہ داستاں میری
کیوں تو اُلجھا ہوا ہے لفظوں میں؟

چلنے سے پہلے سوچ لو، ورنہ
ختم ہو گا سفر نہ صدیوں میں

روز دِل پہ ہے اِک نیا صدمہ
مر رہا ہے غریب قسطوں میں

اُن کے ہونٹوں پہ تلخیاں توبہ!
بھر دیا زہر کس نے پھولوں میں
یہ ہنر آدمی کو آتا ہے
عیب مل جائیں گے فرشتوں میں
وُہ مرے گھر کو آگ دیتے رہے
میں پڑھا کیا کہیں کتابوں میں
ناچتے ہیں ترے اشاروں پر
ہم کھلونے ہیں تیرے ہاتھوں میں
اپنا غم دے کر اُس نے ہم کو جگرؔ!
کر لیا شامل اپنے بندوں میں

٭

کانٹے

لاکھ کہنے کو ہیں بُرے کانٹے
سوچیے تو کمال کرتے ہیں
عُمر بھر تیرے کے ہاتھوں میں
پھولوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں

بستی بستی سنّاٹا ہے
اِک دیوانہ جھوم رہا ہے

باہر کی آواز سنوں کیا؟
میرے اندر شور بڑا ہے

پیاس بجھائے کیا وہ کسی کی؟
آج سمندر خود پیاسا ہے

یاد بنا دِل میں آ بیٹھا
گزرا وقت کہاں جاتا ہے؟

پانی دینے اَب آئے ہو!
پیڑ تو کب کا سوکھ چکا ہے

تیری خوشیاں، غم بھی تیرے
جو مِلتا ہے، سَب اچھا ہے

بے خود ہو گیا دیکھنے والا
کِس سے پوچھے کیا دیکھا ہے

○

پھر آ گئے ہیں دِن وُہ محبّت کے گاؤں میں
یاروں نے ڈیرے ڈالے ہیں پیپل کی چھاؤں میں
اِن کے عِلاوہ کیا ہے جو مانگیں خُدا سے ہم
آکاش اپنے سَر پہ ہے دھرتی ہے پاؤں میں
کوئی زوال میں نہیں دیتا کِسی کا ساتھ
سُورج ڈھلا تو دُھوپ بھی جا بیٹھی چھاؤں میں
بیٹی کِسی غریب کی یاد آ گئی مُجھے
پگڑی کِسی کی دیکھی کِسی کے جو پاؤں میں
تیری جفاؤں نے مُجھے مشہُور کر دیا
کُچھ بھی نہ خاص بات تھی میری وفاؤں میں
وہ کہتے ہیں سُنائیے افسانۂ حیات
رکھ دے کوئی چِراغ جلا کر ہواؤں میں
آرام کرنے بیٹھُوں تو جلتا ہے تن بدن
شاید چھپی ہُوئی ہے کہیں دُھوپ چھاؤں میں

مجھ کو مٹانے والو! تمہیں یہ خبر نہیں
مٹ کر میں پھیل جاؤں گا چاروں دشاؤں میں

رستے کی کچھ خبر ہے، نہ منزل کا کچھ پتہ
وہ خشک پتّہ ہوں جو بکھرا ہوا ہواؤں میں

میں اس کو سنگِ میل سمجھتا چلا گیا
راہِ وفا میں چھالا پڑا جو بھی پاؤں میں

رکتا نہیں ہے وقت ہو کیسا بھی اے جگر!
کٹ جاتی ہے حیات یونہیں دھوپ چھاؤں میں

❁

بُرا وقت

اُن کی عزّت گئی۔ وقار گیا
اُن کی راحت گئی۔ قرار گیا

اے جگر! وقت کے بگڑنے سے
اچھے اچھوں کا اعتبار گیا

لاکھ خوشیاں عطا کرے کوئی
خوش نہ ہو دِل تو کیا کرے کوئی؟
کیا ہے رسمِ وفا۔ کہ دُکھ بھی سہے
شکر یہ بھی ادا کرے کوئی!
دِل میں ارماں نہیں اُمنگ نہیں
ایسے مُردے کو کیا کرے کوئی؟
موت سے زندگی کی سازش ہے
اِس سے بچ کر رہا کرے کوئی
پھول ہنستا ہی اچھا لگتا ہے
رہے ہنستا خُدا کرے کوئی
کِسی دِل میں رہے نہ تاریکی
روشن ایسا دِیا کرے کوئی
کِسی کے سامنے فسانۂ غم
خُود کہے خُود سُنا کرے کوئی

نظر آئے گا صاف چہرہ بھی
آئنہ تو صفا کرے کوئی

یہ بڑی بات ہے ہمارے لئے
بات ہی سُن لیا کرے کوئی

اَے جگرؔ! بندے کو خُدا کہہ کر
کُفر کی اِنتہا کرے کوئی

❖

طلسمِ محبّت

آنکھیں میری ہوں، جُستجو تیری
ہونٹ میرے ہوں، گُفتگو تیری
کیا محبّت اِسی کو کہتے ہیں
سینہ میرا ہو، آرزو تیری؟

راحتِ دِل

شان و شوکت کو چاہنے والو!
جاہ و حشمت کو چاہنے والو!
راحتِ دِل بہت بڑی شَے ہے
مال و دَولت کو چاہنے والو!

○

سمجھ نہ کیوں نہ کریں غم زندگی کے ساتھ
جب ہم یہ جانتے ہیں نہیں موت اپنے ہاتھ

وقتِ جدائی آنکھ مری کیوں نہ بھیگتی؟
تھا زندگی کے ساتھ مرا عمر بھر کا ساتھ

پھر آدمی سے کس لیئے ڈرتا ہے آدمی؟
جب زندگی و موت ہیں دونوں خدا کے ہاتھ

سو بار شکر کرتا ہوں پروردگار کا
اِک لمحہ بھی گزارتا ہوں جب خوشی کے ساتھ

میں زندگی کے ساتھ چلا تو ضرور ہوں
لیکن کچھ ایسے جیسے کسی اجنبی کے ساتھ

میں کیوں نہ اپنے دِل کو دعائیں دوں صبح و شام
میری مصیبتوں میں یہ دیتا ہے میرا ساتھ

جس زندگی پہ تم کو بڑا ناز ہے جگر!
کیا جانے کب کہاں چلی جائے چھڑا کے ہاتھ

میرے اندر جو چھپ کے بیٹھا ہے
مُجھ کو ہر دم اُسی کا کھٹکا ہے

تیرے چہرے پہ کوئی داغ نہیں
کِس لئے آئینے سے ڈرتا ہے؟

آپ سے مانگیں ہم تو کیا مانگیں؟
اپنا دامن بہت ہی چھوٹا ہے

ابرِ رحمت برس وہاں جا کر
کوئی ہم سے زیادہ پیاسا ہے

زِندگی تجھ کو مارتی ہے، مگر
پھر بھی تُو زِندگی پہ مرتا ہے!

تُجھے کِس نام سے پکارے کوئی
تُو ہی قاتل، تُو ہی مسیحا ہے

غم اُٹھائے جا، مسکرائے جا
زِندگی کا یہی تقاضا ہے

سر جہاں بے ارادہ جھک جائے
وُہی مسجد، وُہی شِوالا ہے
کب وُہ ڈرتے ہیں دُشمنی سے جگرؔ!
دوستی پر جنہیں بھروسا ہے

٭

ایک بات

مَیں نے تمام اپنا فسانہ سُنا دِیا
اَب میرے پاس کہنے کو کچھ بھی رہا نہیں
پھر کیوں یہ بات آتی ہے رہ رہ کے ذہن میں
کہنا جو چاہتا تھا۔ وُہ مَیں نے کہا نہیں

یکسانیت

اُن کی نظروں میں سب برابر ہیں
نیک جِن کا خیال ہوتا ہے
آدمی کا ہو کوئی رنگ۔ مگر
خُون کا رنگ لال ہوتا ہے

دُنیا کے غم خُوشی سے لئے جا رہا ہُوں مَیں
اُلفت کا کاروبار کئے جا رہا ہُوں مَیں

دو بول پیار کے بھی نہیں مِلتے مُفت میں
کیا کیا دُعائیں ساتھ لئے جا رہا ہُوں مَیں

دِل کو سِکھا رہا ہُوں تری بے نیازیاں
پَیدا ترا جواب کئے جا رہا ہُوں مَیں

اُس نام پر زمانے کو کیا اِعتراض ہے؟
جو نام بے خُودی میں لئے جا رہا ہُوں مَیں

اِس سے بڑا ثبُوت ہو کیا اِعتبار کا؟
خُود کو ترے حوالے کئے جا رہا ہُوں مَیں

ناکامیوں کا راز چھپانے کے واسطے
مجبُوریوں کا نام لئے جا رہا ہُوں مَیں

ہر بار پیش کرتا ہُوں اُس کو خُوشی کے پھول
یُوں غم کا اِحترام کئے جا رہا ہُوں مَیں

اِس کی خبر بھی ہے کہ سِلیں گے نہیں کبھی
پھر بھی جگرؔ کے چاک سِیئے جا رہا ہُوں مَیں

گُزرا ہُوا زمانہ پلٹ کر نہ آئے گا
کیوں بار بار یاد کیئے جا رہا ہُوں مَیں؟

اَسباب زِندگی کے تو دُنیا نے لے لیئے
حیرت ہَے بے سبب ہی جیئے جا رہا ہُوں مَیں

سب میں اُسی کا نُور ہے یہ سوچ کر جگرؔ!
ہر آدمی سے پیار کیئے جا رہا ہُوں مَیں

☆

غَم پہ غَم

اِک طرف مُجھ کو اپنے غم کا خیال
اِک طرف غم زدہ حبیبوں کا
زِندگی بھر مُجھے اُٹھانا ہے
اَے جگرؔ! بوجھ اِن صلیبوں کا

سَب کو اَپنے جیسا پایا
بِھیڑ میں خُود کو تنہا پایا
تیرا رُوپ نِرالا پایا
جَیسا چاہا، وَیسا پایا
کھو کر خُود کو پایا تُجھ کو
مِٹّی دے کر سونا پایا
سوچ بناتی ہے منظر کو
جَیسا سوچا، وَیسا پایا
ڈُوب کے دیکھا جِس دَم خُود کو
ساگر سے بھی گہرا پایا
جیون بیت گیا، کیا کہیے
کیا کیا کھویا، کیا کیا پایا
آنکھیں بند ہُوئیں جب تھک کر
سامنے تیرا چہرا پایا

کعبے میں نظر آیا مندر
مندر میں بھی کعبا پایا
جس کو جگرا سمجھے تھے سمندر
اُس کو سب سے پیاسا پایا

*

زمانہ سازی

مقبولِ خاص و عام جو ہونا ہے آپ کو
اپنا وقار، اپنی خودی بھول جائیے
آئینہ بنیئے ایسا کہ ہر صاحبِ نظر
جیسا بھی چاہے، ویسا ہی چہرا دکھائیے

دِل

دو حرفوں کا ہے لفظ۔ مگر اِس پر اَرے جگر!
کتنے قصیدے، کتنے ترانے لکھے گئے!
دِل چیز کیا ہے۔ اِس کو نہ کوئی سمجھ سکا
کتنے مقالے، کتنے فسانے لکھے گئے!

○

پیار دے کر آپ بھی دیں پیار، مجبوری نہیں
پیار تو ہے شوق اپنا کوئی مزدوری نہیں

بھاگتے پھرتے بھی ہو ہر دم زندگی کے واسطے
اور پھر کہتے بھی ہو یہ کوئی کستوری نہیں

فاصلے ہی فاصلے ہیں دو دلوں کے درمیاں
دیکھنے کو دو گھروں میں کوئی بھی دوری نہیں

چاند، تارے، پھول، کلیاں، آئینہ، سورج، چراغ
کوئی بھی تشبیہ تیرے حسن کی پوری نہیں

موت کے ساتھ اس کو جانا پڑتا ہے ہر حال میں
آدمی کی اس سے بڑھ کر کوئی مجبوری نہیں

کیوں نظر آتا نہیں تو، کیوں نہیں ملتا مجھے
جب ہمارے درمیاں پردا نہیں، دوری نہیں

چھوڑ سکتا ہوں میں سب کچھ اک دفا کو چھوڑ کر
کوئی اور اس کے علاوہ میری مجبوری نہیں

آدمی کی قدر و قیمت اس کا جوہر ہے جگر!
اس ہرن کا مول کیا ہے جس میں کستوری نہیں

سب سے ملئے بہار کی صورت
موسم خوش گوار کی صورت

گُل کی صحبت کا فیض ہے، ورنہ
دیکھتا کون خار کی صورت

ہم تو پت جھڑ سے دل لگا بیٹھے
آپ دیکھیں بہار کی صورت

ٹھوکروں کو تو مار کر ٹھوکر
گاتا جا آبشار کی صورت

میٹھے سُر سے جواب چوٹ کا دے
رہ جہاں میں ستار کی صورت

جس کی منزل کا کچھ پتہ ہی نہیں
ہم ہیں اُس رہ گزار کی صورت

ہم اُسی دل کو دل سمجھتے ہیں
جس میں بستی ہے پیار کی صورت

منزلوں کی نہ کیجئے پروا
اُڑتے رہیئے غبار کی صورت
ناشگفتہ ہو جب کلی دل کی
پھول چبھتے ہیں خار کی صورت
اے جگر! نفرتوں کی بستی میں
ڈھونڈتا ہوں میں پیار کی صورت

٭

بہار

رُت بدلنا وہ ہے کہ چاروں طرف
نظر آئے نکھار پھولوں پر
ہم نہیں کہنے کے بہار اُسے
جو ہو گنتی کے چار پھولوں پر

بدنصیبی

وہ بہت بدنصیب ہوتے ہیں
خود ہی اپنے رقیب ہوتے ہیں
جن کا دُنیا میں کوئی دوست نہیں
سب سے بڑھ کر غریب ہوتے ہیں

○

کچھ تو رسمِ وفا نبھاتا جا
جاتے جاتے ہی مسکراتا جا
بھیڑ کے ساتھ بھی تعلّق رکھ
اپنی پہچان بھی بناتا جا
سایہ مل جائے گا بڑھاپے میں
گھر میں کچھ پیڑ بھی لگاتا جا
پھول کلیوں کا انتظار نہ کر
ساتھ کانٹوں کے مسکراتا جا
آدمیّت کا یہ تقاضا ہے
ہر کسی کو گلے لگاتا جا
یہی کعبہ یہی ہے بت خانہ
دِل کی چوکھٹ پہ سر جھکاتا جا
میری آنکھیں بھی منتظر ہیں تری
اِن چراغوں کو بھی جلاتا جا

رہ زمانے میں پھول کی صورت
آپ ہنس اوروں کو ہنساتا جا
منزلیں تیرے پاؤں چومیں گی
شوق کو رہ نما بناتا جا
اے جگر! دشمنی کی راہوں میں
دوستی کے دیے جلاتا جا

٭

موت اور زندگی

اے جگر! موت نام ہے جس کا
زندگی ہی کا ایک پہلو ہے
ہم کو معلوم ہے۔ یہ تاریکی
روشنی ہی کا ایک پہلو ہے

ہم سفر

دو قدم ساتھ ساتھ چلنے سے
راہ رو ہم سفر نہیں بنتے
بنتے ہیں آپسی محبت سے
چونے پتھر سے گھر نہیں بنتے

سونپ دوں کیسے تم کو جان ابھی؟
مجھ کو دینے ہیں اِمتحان ابھی

وقت پھر تیرا ساتھ دے کہ نہ دے
کام کر لے کوئی مہان ابھی

ہو کے فارِغ زمیں سے کیا ہو خوشی
سر پہ بیٹھا ہے آسمان ابھی

کس نے تیرا سکون چھین لیا؟
تیرا بیٹا نہیں جوان ابھی

تیرے بارے میں کیا کہوں اے دوست!
مجھ کو اپنا نہیں ہے گیان ابھی

یہ پرے ہو تو پاس آؤں ترے
زِندگانی ہے درمیان ابھی

جیسے مرکز ہو دائرے میں گھرا
دُکھ میں یوں مبتلا ہے جان ابھی

ناموافق ہوا ہے پھر بھی جگر!
دِل کو ضد ہے بھروں اُڑان ابھی

اپنے دامن کو تار تار نہ کر
عشق اگر ہے تو اشتہار نہ کر

پیار کا بیج بونے کی خاطر
کسی موسم کا انتظار نہ کر

رشتے ناتے تو کچے دھاگے ہیں
کچے دھاگوں سے اتنا پیار نہ کر

یا کفن سر پہ باندھ کر تو نکل
یا محبت کا کاروبار نہ کر

عمر بھر آنسوؤں سے دھونی پڑے
چادر اتنی بھی داغدار نہ کر

دل کہاں اور تیرا عشق کہاں!
اس جنونی کا اعتبار نہ کر

ہم بھی رونق ہیں تیری محفل کی
ذکر اپنا ہی بار بار نہ کر

کیا خبر کب سفید ہو جائے
خُون پر اِتنا اِعتبار نہ کر
کون کہتا ہے خُود نہ ہنس، لیکن
دُوسروں کو تو اَشکبار نہ کر
زندگی جبر بن کے رہ جائے
صبر اِتنا بھی اِختیار نہ کر
عاشقی کے مُعاملے میں جگرؔ!
اپنے دِل کا بھی اِعتبار نہ کر

٭

رازِ مُسرّت

جو بے غرض ہو۔ نام محبّت اُسی کا ہے
خُونِ جگر کا مول لگایا نہ کیجئے
دامن جو اپنا پھُولوں سے بھرنا ہے آپ کو
پَودا لگا کے پھَل کی تمنّا نہ کیجئے

اَے محبّت! تُجھ کو لے جاؤں کہاں
اِس جہاں میں کوئی دِل والا نہیں
خُود وہ بڑھ کر تھامتا ہے اُن کا ہاتھ
ہاتھ پھیلانا جنہیں آتا نہیں
زِندگی سے بھاگتے ہو کس لئے؟
یہ کوئی شُعلہ نہیں، لاوا نہیں
قِصّۂ غم کہنے کو اپنے سِوا
کوئی مَوزُوں آدمی مِلتا نہیں
کُچھ نہ کُچھ تو بات ہوگی اَے جگر!
آنکھ میں پانی یُونہیں آتا نہیں

٭

بیٹا اَور شَجر

سایہ پہنچائے گا ضرُور۔ اَے دوست!
ایک دِن بن کے یہ شجر ہم کو
اَے جگرؔ! بیٹے کی خُدا جانے
ننھے پودے کی ہے خبر ہم کو

جس انساں کے دِل میں محبّت نہیں ہے
خدا کی ابھی اُس پہ رحمت نہیں ہے
کہاں تک تجھے یاد رکھّے گی دُنیا
تُو ہے اِک فسانہ، حقیقت نہیں ہے
محبّت میں کیوں لینے دینے کی شرطیں؟
محبّت ہے کوئی تجارت نہیں ہے
وُہ گلشن ہے کیا، جس میں بُلبُل نہ چہکے
وُہ گھر کیا ہے، خوش جس میں عورت نہیں ہے
یہ مانا کہ دِل ہلکا ہوتا ہے رو کر
مگر ہم کو رونے کی عادت نہیں ہے
یہی ہے مُصیبت سے بچنے کا رستہ
مُصیبت کو سمجھو، مُصیبت نہیں ہے
نظر بھی ہے جھوٹی، زباں بھی ہے جھوٹی
اگر دِل کی باتوں سے نسبت نہیں ہے

کبھی تم خوشی کی تمنّا نہ کرنا
اگر غم سے لڑنے کی جرأت نہیں ہے

محبّت کہ جس نے جہاں کو بنایا
اُسی کی جہاں کو ضرورت نہیں ہے

یہ کِس سرد موسم میں ہم جی رہے ہیں
کِسی دِل میں سوزِ محبّت نہیں ہے

غموں کا فسانہ سُنے کیا زمانہ؟
اُسے اپنی خوشیوں سے فرصت نہیں ہے

وُہ سب سے غریب آدمی ہے جہاں میں
جگرؔ! پاس جِس کے محبّت نہیں ہے

٭

دَولت

یہ تو ممکن ہے کہ دَولت کے سبب
تُجھ کو ہر نعمتِ کونین مِلے
مگر اَے دوست! ضروری تو نہیں
دِل کو تسکین مِلے، چین مِلے

○

کتنی آنکھوں کو رُلاتی ہے گھٹا برسات کی!
کتنے سینوں کو جلاتی ہے ہوا برسات کی

دیکھنا یہ ہے بُجھا پائی بھی ہے دھرتی کی پیاس
ناز سے اُٹھی تو ہے کالی گھٹا برسات کی

آنسوؤں سے تُو نے دامن کو بھگو کر رکھ دیا
اے خدا! ہم نے تو مانگی تھی دُعا برسات کی

یُوں ہے رِم جھم جیسے چھم چھم بزم میں پایل بجے
کیوں نہ ہو پھر ہر زباں پر واہ وا برسات کی

خُون اِتنا ہے زمیں پر جس کو دھونے کے لئے
حشر تک رونا پڑے گا اے گھٹا برسات کی!

یاد ہے، گھر کی تباہی کا فسانہ یاد ہے
مانگیں ہم تو کِس طرح مانگیں دُعا برسات کی

چاروں جانب بہہ رہی ہوں جب لہُو کی ندّیاں
کِس جگہ سے لائے پھر پانی گھٹا برسات کی

بھولی بھولی، اُودی اُودی، پیاری پیاری بدلیاں!
اُڑ رہی ہے ساتھ پریوں کے ہوا برسات کی
کاش! اپنی زندگی میں وُہ بھی دِن آئیں جگر!
لے کے آئے پیار کی بُوندیں گھٹا برسات کی

٭

دانا۔ نادان

جو ہیں دانا۔ وُہ زِندگانی سے
قابلِ رشک کام لیتے ہیں
جو ہیں ناداں۔ وُہ قیمتی لمحے
اِک لڑائی میں کاٹ دیتے ہیں

صبر

ہُوا خاموش تڑپ کر آخر
ختم کر پایا نہ جب دُوری کو
صَبر کا نام دِیا دُنیا نے
ایک اِنسان کی مجبُوری کو

جیون اِک بنجارا ہے
پھر بھی سبھی کو پیارا ہے

چاند جو اِتنا پیارا ہے
اُس میں رُوپ تمہارا ہے

چِٹھیاں بانٹے دُکھ سُکھ کی
وقت بھی اِک ہرکارا ہے

موت ہی ایک عِلاج نہیں
غم کا اور بھی چارا ہے

رنگ محل پر ناز نہ کر
چُونا، مٹّی، گارا ہے

ہر ذرّے کے پردے میں
سُورج، چاند، سِتارا ہے

دِل ہو بُجھا تو دِن میں بھی
راتوں کا اندھیارا ہے

جیون ندیا کا پانی
کچھ میٹھا، کچھ کھارا ہے
لے سکتا ہے کون وہ جام؟
جس پر نام ہمارا ہے
پیار سے تن من نرمل ہو
یہ گنگا کا دھارا ہے
جس کا دل روشن ہے جگر!
وہ انسان ستارا ہے

٭

آس

یہ حقیقت ہے۔ پریشاں بھی بہت رہتا ہوں
درد سے رنج سے، آزار سے تنہائی سے
کبھی خوشیوں کا زمانہ بھی میسّر ہوگا
دل کو بہلاتا ہوں اس آس کی شہنائی سے

○

چوراہے پر بیٹھا ہوں
سب کی خیر مناتا ہوں

اُس کا نام سمندر ہے
کیسے کہے میں پیاسا ہوں

پھول سی میری فطرت ہے
سب سے ہنس کر ملتا ہوں

پاک بھی ہوں تر دامن بھی
کچھ اُجلا کچھ میلا ہوں

وقت مجھے کیا بدلے گا
میں تو درد کا رشتا ہوں

مجھ کو سنبھالو گے کب تک؟
شیشے کا پیمانا ہوں

قطرہ ہوں دریا کا اگر
پھر تو میں بھی دریا ہوں

دُنیا ہے دِیوانی مِری
مَیں تیرا دِیوانا ہُوں
سَب پر ہَے وِشواس مُجھے
کون سے یُگ کا بندا ہُوں!
مُجھ کو بھی محسُوس کرو
مَیں بھی خُوشبُو جیسا ہُوں
مُجھ سے جلتی ہے اِک دُنیا
کیا مَیں اِتنا اچھّا ہُوں!
کوئی جِگر والا ہی سُنے
اِک دِل سوز ترانا ہُوں
شِعروں کے پردے میں جِگر!
اپنے دُکھ سُکھ کہتا ہُوں

٭

اِحساسِ خُودی

اِک مہرباں کی چشمِ عِنایت کے فیض سے
ہونے کو میرا کام سرانجام ہوگیا
خُودداریوں نے زخم لگائے کُچھ اِس قدر
مَیں کامیاب ہو کے بھی ناکام ہوگیا

آنسو ہیں نہ آنکھوں میں نہ ہونٹوں پہ دُعا ہے
لگتا ہے مجھے میرا خُدا بھول گیا ہے

کِس درجہ شگفتہ ہے مرے دِل کی طبیعت
غم سے بھی مِلا ہے تو یہ خوش ہو کے مِلا ہے

وُہ شخص بہت بچھڑے ہُوئے گاؤں کا ہوگا
اِس دَور میں بھی دیکھیے سچ بول رہا ہے!

پھُولوں میں، ستاروں میں، شگُوفوں میں، شفق میں
ہم نے تجھے ہر رنگ میں پہچان لیا ہے

مُدّت سے تصوّر میں بھی آیا نہیں کوئی
وعدے کی طرح وُہ بھی مجھے بھول گیا ہے

کچھ لُٹ گئے ہم اپنی تمنّاؤں کے ہاتھوں
کچھ تیری اداؤں نے ہمیں لُوٹ لیا ہے

جو خاک میں پوشیدہ ہے وُہ بھی ہے جواہر
وُہ بھی ہے جواہر جو سرِ تاج جڑا ہے

جی بھر کے ہمیں کھانے کو غم بھی نہیں بخشا
جا ہم نے ترا لطف و کرم دیکھ لیا ہے

دُنیائے محبّت ہی وُہ دُنیا ہے کہ جس میں
اَدنےٰ ہے نہ اعلےٰ ہے، نہ چھوٹا نہ بڑا ہے

تُم کعبہ و بُت خانہ بڑے شوق سے جاؤ
وُہ پاس جگر کے ہے جگر کا جو خُدا ہے

٭

اَپنے!

اِس طرح آنکھ بند ہونے پر
اَپنے اَپنوں کو بھُول جاتے ہیں
جس طرح خواب ٹوٹتے ہی جگر!
لوگ سپنوں کو بھُول جاتے ہیں

ایک مَنظر

ہلکی ہلکی ہوا کی لہروں سے
یُوں کلی لہلہائے جاتی ہے
جیسے سُن کر پیا کی باتیں، دُلہن
زیرِ لب مسکرائے جاتی ہے

○

اُس نے ایک ہلکا سا پردہ تان رکھا ہے
جس کا نام دُنیا نے آسمان رکھا ہے

حادِثوں کی دُنیا میں کیا ہے زِندگی اپنی!
بجلیوں کے سائے میں اِک مکان رکھا ہے

اِک خوشی کی خاطِر ہم کِتنے غم اُٹھاتے ہیں
اُس نے پھول کانٹوں کے درمیان رکھا ہے

جس زمیں سے اپنا بھی بوجھ اُٹھ نہیں سکتا
تُو نے اُس کے کندھوں پر آسمان رکھا ہے!

اِک خُدا بنانے پر ہم سے ہے خفا دُنیا
اِس نے خود خُدا اُوں کا اِک جہان رکھا ہے

دِل کِسی مُصیبت میں ٹُوٹنے نہیں پایا
اُس نے ہر مُصیبت میں میرا دھیان رکھا ہے

اے بہار ہم کو بھی چند پھول دیتی جا
دیکھ! ہم نے بھی گھر میں پھول دان رکھا ہے

دیر تک وقت دیکھ سکتا نہیں
پیاری صورت کسی کی پیاری شکل
آئینے سے اُلجھ رہا ہے کوئی
یاد آئی نہ ہو ہماری شکل
چاند اتنا حسیں کہاں تھا جگر!
سامنے تھی کسی کی پیاری شکل

ش

درد کا رشتہ

اجنبی چہرے بھی جب دیکھتا ہوں رنجیدہ
غم کے طوفان مرے دل میں اُمڈ آتے ہیں
سوچتا ہوں کہ کوئی رشتہ تو اُن سے ہوگا
میری آنکھوں کے جو پیمانے چھلک جاتے ہیں

میرِ محفل!

جو ہیں روشن۔ اُنہیں کی لَو کو کیا
میرِ محفل! بڑھائے جانا ہے؟
جن چراغوں سے اُٹھ رہا ہے دھواں
اُن چراغوں کو بھی جلانا ہے

پیار اِتنا اُسے دِیا ہم نے
درد کو دِل بنا لِیا ہم نے

آدمیّت بہت ذلیل ہُوئی
جو نہ کرنا تھا وُہ کِیا ہم نے

تلخیاں زِندگی کی کیا کہیئے ؟
زہر پینا تھا، پی لِیا ہم نے

اپنی صُورت نہ درد نے بدلی
لاکھ اُلٹا اِسے کِیا ہم نے

رنج پر رنج دے رہی ہے تُو
زِندگی! تیرا کیا لِیا ہم نے

اپنے دِیپک بُجھا لِئے، لیکن
رُخ ہوا کا بدل دِیا ہم نے

شیطنت کو بھی شرم آنے لگی
خُود کو رُسوا بہت کِیا ہم نے

گھر پڑوسی کا پھونک دینے کو
اپنے گھر کو جلا دیا ہم نے
موت سے خوف ہو تو کیوں ہو جگر!
جتنا جینا تھا، جی لیا ہم نے

٭

اپنے پرائے

اے جگر! جس وقت مجھ پر کوئی مشکل آ پڑی
مہربانوں، دوستوں کا بند دروازہ ہوا
اپنے دامن سے جو پونچھے غیر نے آنسو مرے
مجھ کو ان اپنوں سے اپنے پن کا اندازہ ہوا

ایک گزارش

ہر غم کو بہ صد شوق کلیجے سے لگاؤں
لب پر نہ کسی بات کا شکوہ کبھی لاؤں
لیکن مری اتنی سی گزارش ہے۔ الٰہی!
میں بھولنا چاہوں بھی تجھے۔ بھول نہ پاؤں

میرا جیون موت کا کارن
میں ہوں آپ ہی اپنا دشمن

خوب زمانہ تھا بچپن کا
ہر آنگن تھا اپنا آنگن

اُس کی دید کو آنکھیں ترسیں
پیاسی ندیاں ڈھونڈیں ساون

نظروں میں رہنے دو جلوے
پھولوں سے بھرنے دو دامن!

یاد تمہاری سینہ و دل میں
یعنی خوشبو آنگن آنگن

کوئی نہ آپ کو روند سکے گا
تھامے رکھئے وقت کا دامن

سونی راہیں، سونی گلیاں
در در بھٹکے ایک بھکارن

کس کو ڈھونڈ رہا ہے پاگل!
صحرا صحرا، گلشن گلشن

موت نے ایک اور اُلجھن ڈالی
کیسے ٹوٹے جیون بندھن؟

سو بار ابرِ کرم برسا ہے
خشک ہے پھر بھی حرص کا دامن

"میں" کی دیواروں کو گرا دے
کھل اُٹھے گا جیون آنگن

ہوش جگر! اُلفت میں ہے لازم
دوست بھی بن سکتا ہے دشمن

⁂

بدلتے موسم

محبت سے، وفا سے، دوستی سے
جدا احباب ہوتے جا رہے ہیں
تعلق تھا کسی سے جب کسی کو
وہ موسم خواب ہوتے جا رہے ہیں

○

غصّے جی بھر کے ہو لئے صاحب!
اب ذرا ہنس کے بول لئے صاحب!

روکنے سے جو اشک رُکتے نہیں
اُن کو مٹّی میں رو لئے صاحب!

انگلیاں اُٹّھیں گی نزاکت پر
اِتنا اونچا نہ بول لئے صاحب!

آپ سِکّوں میں تولے جائیں گے
بند مُٹّھی نہ کھول لئے صاحب!

آپ کو اور ہم خُدا سمجھیں
کُفر اِتنا نہ تول لئے صاحب!

باتیں نظروں سے ہو چکی ہیں بہت
کچھ زباں سے بھی بول لئے صاحب!

اپنے رونے کی خاص وجہ نہ تھی
ہلکے ہونا تھا، ہو لئے صاحب!

آپ کا ہر سُخن تبرُّک ہے
جو بھی جی چاہے بولیئے صاحِب!
پھونک دیتی ہے دِل کو آتشِ غم
کِس طرح آپ رد لیئے صاحِب!
آپ دِل سے جِگؔر کو چاہتے ہیں
ایک بار اَور بولیئے صاحِب!

☼

نام - کام

نام اِک پہچان ہے اِنسان کی
نام سے چھوٹا بڑا کوئی نہیں
اَے جِگؔر! یہ سوچنے کی بات ہے
کام سے چھوٹا بڑا کوئی نہیں

غُصّہ

اِس سے بڑھ کر کوئی نہیں دُشمن
زِندگی کے چِراغ کا پیارے!
غُصّے سے رکھ بچاکے تُو خُود کو
یہ ہے کینسر دِماغ کا پیارے!

کس نظر میں آپ کا جلوا نہیں
کس زباں پر آپ کا چرچا نہیں

صحن میں پتھر کدھر سے آ گئے
دشمنوں نے میرا گھر دیکھا نہیں

کیوں نہ سمجھیں آپ خود کو لاجواب؟
خود سے باہر آپ نے جھانکا نہیں

آپ پر کتنے فسانے لکھ گیا
آپ کو جس نے کبھی دیکھا نہیں

دل وہ کیا۔ جس پر نہیں تیری نظر
سر وہ کیا۔ جس پر ترا سایا نہیں

کون چاہے اس زمانے میں ہمیں
ہم کوئی چاندی نہیں، سونا نہیں

موت کی پابندیاں کتنی بھی ہوں
زندگی کا کارواں رکتا نہیں

اَے محبّت! تجھ کو لے جاؤں کہاں
اِس جہاں میں کوئی دِل والا نہیں
خُود وُہ بڑھ کر تھامتا ہے اُن کا ہاتھ
ہاتھ پھیلانا جنہیں آتا نہیں
زِندگی سے بھاگتے ہو کس لئے؟
یہ کوئی شُعلہ نہیں، لاوا نہیں
قِصّۂ غم کہنے کو اپنے سِوا
کوئی مَوزُوں آدمی مِلتا نہیں
کُچھ نہ کُچھ تو بات ہوگی اَے جِگرؔ!
آنکھ میں پانی یُونہیں آتا نہیں

⁂

بیٹا اَور شَجر

سایہ پہنچائے گا ضرُور۔ اَے دوست!
ایک دِن بن کے یہ شجر ہم کو
اَے جِگرؔ! بیٹے کی خُدا جانے
ننھے پَودے کی ہے خبر ہم کو

جس انساں کے دِل میں محبّت نہیں ہے
خُدا کی ابھی اُس پہ رحمت نہیں ہے
کہاں تک تجھے یاد رکھّے گی دُنیا
تُو ہے اِک فسانہ، حقیقت نہیں ہے
محبّت میں کیوں لینے دینے کی شرطیں؟
محبّت ہے کوئی تجارت نہیں ہے
وُہ گُلشن ہے کیا، جس میں بُلبُل نہ چہکے
وُہ گھر کیا ہے، خُوش جس میں عورت نہیں ہے
یہ مانا کہ دِل ہلکا ہوتا ہے رو کر
مگر ہم کو رونے کی عادت نہیں ہے
یہی ہے مُصیبت سے بچنے کا رستہ
مُصیبت کو سمجھو، مُصیبت نہیں ہے
نظر بھی ہے جھُوٹی، زباں بھی ہے جھُوٹی
اگر دِل کی باتوں سے نِسبت نہیں ہے

○

وُہی ہے آنکھ، جسے تیرا اِنتظار رہے
وُہی ہے دِل، تری خاطر جو بے قرار رہے

ہمارے ہاں بھی کبھی آپ مُسکرا جائیں
غریب خانے میں بھی چار دِن بہار رہے

اگر ہے جان ہی دینی تو دے محبّت میں
وُہ کام کر کہ زمانے میں یادگار رہے

ہر ایک بار کوئی اپنا وعدہ بھُول گیا
اُمیدوار وار، ہمیشہ اُمیدوار رہے

ہماری آنکھ سے ٹپکا تھا ایک بار آنسو
تمام عُمر محبّت سے شرمسار رہے

اجل کے وار سے اِنسان بچ نہیں سکتا
ہزار چھُپ کے رہے لاکھ ہوشیار رہے

گلے لگا کے کہا مُجھ سے اُس کی رحمت نے
اِنہیں گناہوں پہ تم اتنے شرمسار رہے!

جگر! ہزار کہے کوئی، ہم نہ مانیں گے
جو بے قرار کرے، خُود نہ بے قرار رہے

سوچتا ہے رات دن ہم کو مٹانے کے لئے
بن گئے رسمِ محبت ہم زمانے کے لئے

اے مسافر! یہ نہیں منزل ٹھکانے کے لئے
زندگی تو راستہ ہے آنے جانے کے لئے

خونِ دل سے پوچھیئے، خونِ جگر سے پوچھیئے
کتنا رویا ہوں زمانے کو ہنسانے کے لئے

زندگی پر گو حکومت ہے غموں کی پھر بھی ہم
چھین لیتے ہیں وہ اک پل مسکرانے کے لئے

اپنی صورت اس میں دیکھو گے اگر ڈر جاؤ گے
آئینہ رکھا ہے جو تم نے زمانے کے لئے

جن پہ سایہ کرتے کرتے پیڑ بوڑھا ہو گیا
اُف۔ وہی بے تاب ہیں اُس کو مٹانے کے لئے

روٹھئے تو کس بھروسے پر کسی سے روٹھئے
کون ہے جو آئے گا ہم کو منانے کے لئے

اپنی نظروں میں خدا سے کم نہیں وہ ناخدا
ڈوب جاتا ہے جو خود کشتی بچانے کے لیے
اُن کو چُنتے چُنتے ہم نے عمر ساری کاٹ دی
نام کو تھے چار تنکے آشیانے کے لیے
ہنستے ہنستے خود کسی بستی میں جا بسنے ہیں دوست
چھوڑ جاتے ہیں ہمیں رونے رُلانے کے لیے
چاند سورج کو بھی نہیں حاصل نہیں جاہ و جلال
زندگی بھر جلنا پڑتا ہے زمانے کے لیے
کاٹنی مشکل نہیں خاروں کی صحبت میں جگر!
ہو کلیجہ بھی گلوں کا مسکرانے کے لیے

✻

انقلابِ زمانہ

یاد آتی ہے مجھے صحبتِ یاراں جس وقت
لگ کے دیواروں سے رو لیتا ہوں تنہائی میں
مجھ کو معلوم نہ تھا جشنِ مسرت میں جگر!
ماتمی دھن بھی چھپی بیٹھی ہے شہنائی میں

محبّت ہی فقط رنگینیاں لاتی ہے جینے میں
یہ خوشبوؤں کی دیوی ہے بسا لو اس کو سینے میں

نہ جانے سچ کے دو حرفوں میں کتنا زہر ہوتا ہے!
بڑی تکلیف ہوتی ہے بشر کو جس کے پینے میں

مقدّر کا سکندر عمر بھر رہتا نہیں کوئی
ہمیشہ کے لیے رہتی نہیں خوشبو پسینے میں

وہ کیسے لوگ ہیں یارب! کہیں کیا ایسے لوگوں کو
بسائے رکھتے ہیں جو نفرتوں کے سانپ سینے میں

سمندر کو میں کیا الزام دوں اپنی تباہی کا
چھپے تھے سینکڑوں طوفاں مرے دل کے سفینے میں

حقیقت میں وہی ہے زندگانی جو گزر جائے
کسی کے اشک پینے میں، کسی کے زخم سینے میں

مشقّت ہی سے بدلے گی تری قسمت، تری دنیا
چھپے ہیں سینکڑوں لعل و گہر تیرے پسینے میں

جگر! شیخ و برہمن کی لڑائی کس بنا پر ہے
وہی متھرا بنارس میں، وہی مکّے مدینے میں

○

زندگی ساری محبت میں گزاری ہم نے
رنگ چادر کا نہ بدلا نہ اُتاری ہم نے
اِک سمندر سے تعلق تھا ہمارا بھی، مگر
عمر ساحل کی طرح پیاسے گزاری ہم نے
ایک اِک لفظ ترے دِل کا پتہ دیتا تھا
تیرے خط سے تری تصویر اُتاری ہم نے
کبھی دھوکا نہ دِیا خود کو کسی کی خاطر
آدھی کو آدھی کہا، ساری کو ساری ہم نے
زندگی بھر رہے تیری ہی رضا میں راضی
کبھی چھینی نہ کسی اور کی باری ہم نے
سامنے آؤ اگر کیسے تمہیں پہچانیں
آج تک دیکھی نہیں شکل تمہاری ہم نے
دینے والے نے طبیعت ہی کچھ ایسی دی ہے
جانی دُشمن سے بھی توڑی نہیں یاری ہم نے
یُونہیں جینے کا سلیقہ تو نہیں آیا جگر! بھی
دُکھ اُٹھائے ہیں پہاڑوں سے بھاری ہم نے

○

میرے دشمن کو یہ پتا ہی نہیں
دشمنی سے بڑی سزا ہی نہیں

وقت ہر وقت چلتا رہتا ہے
یہ مسافر کبھی تھکا ہی نہیں

منزلوں پر مری نگاہیں ہیں
راستوں کو میں دیکھتا ہی نہیں

اک قیامت کا شور ہے باہر
کوئی اندر سے بولتا ہی نہیں

آج کو ہاتھ سے نہ جانے دو
کل کسی کو کبھی ملا ہی نہیں

وہ بھی کہتے ہیں، ہم مسیحا ہیں
جن کے ہاتھوں کوئی بچا ہی نہیں

دشمنی سے یہ کب بدلتی ہے؟
دوستی کو تو جانتا ہی نہیں

کہنے والے کو دیکھتے ہی سبھی
کیا کہا، کوئی دیکھتا ہی نہیں!
خُود کو کھو کر خُدا کو پاؤ گے
اَے جگرؔ! اور راستا ہی نہیں

۞

فطرتِ دُنیا

اِس کی پروا نہ کرو۔ غم نہ کرو
اہلِ دُنیا تُمھیں کیا کہتے ہیں؟
اَے جگرؔ! اُن کی یہ مجبوری ہے
اَچھے اَچھوں کو بُرا کہتے ہیں

دوست کے رُوپ

کبھی مِلتا ہے غم کی صُورت میں
کبھی مِلتا ہے وُہ خُوشی کی طرح
ڈھونڈتے ہیں اِدھر اُدھر جِس کو
ہم میں رہتا ہے زِندگی کی طرح

○

پہناتے رہے ہار مجھے چلنے والے
دیکھے نہ کسی نے بھی مرے پاؤں کے چھالے

دیوانہ ترا کیوں نہ نئی راہ نکالے
مسجد نہ سنبھالے، اُسے مندر نہ سنبھالے

کیا پاس ترے اپنی کوئی بات نہیں ہے؟
ہر بات میں دیتا ہے تو اوروں کے حوالے

ہم تاج محل کو بھی اگر دیکھیں حسد سے
اُس میں بھی نظر آئیں گے سو مکڑی کے جالے

جب غم ملیں کھانے کو تو کیوں نکلیں نہ آنسو
لوہے کے چنے کیسے کوئی ہنس کے چبالے؟

بندے سے یہ کیا کھیل خدا کھیل رہا ہے!
اِس گھر سے نکالے، کبھی اُس گھر سے نکالے

اِک میلی سی چادر کے سوا کچھ نہیں رکھتے
مایوس ہی لوٹیں گے ہمیں لوٹنے والے

جب ساقیِ مے خانہ ہی بے ہوش پڑا ہو

پھر کون بھٹکتے ہوئے رِندوں کو سنبھالے؟

اندازِ محبّت بھی ہے کیا اُس کا نِرالا!

کانٹا بھی نِکالے تو وہ کانٹے سے نِکالے

خوشیوں سے نہ خالی کبھی ہوگی تِری جھولی

چھوٹوں کو دُعا دے تو، بڑوں سے تُو دُعا لے

اِتنا تو غموں نے بھی رُلایا نہیں مجھ کو

جتنے مِرے آنسو مِری خوشیوں نے نِکالے

اُس شخص کی تصویر اُتارے کوئی کیسے؟

جِس شخص کی پرچھائیں بھی دیتی ہو اُجالے

پھولوں کو تو مِل جائیں گے دِیوانے ہزاروں

کانٹوں کو جگرؔ! بڑھ کے تُو سِینے سے لگالے

٭

چراغ جیسے ضروری ہے روشنی کے لئے
محبت ایسے ضروری ہے زندگی کے لئے

ہزاروں حادثے دو دن کی زندگی کے لئے!
بہت بڑی یہ مصیبت ہے آدمی کے لئے

کسی سے دشمنی کرتے تو کس طرح کرتے؟
خدا نے دل ہی دیا ہم کو دوستی کے لئے

چراغ صرف اندھیروں میں جگمگاتے ہیں
اندھیرے کتنے ضروری ہیں روشنی کے لئے!

چٹک کے پھول بنی، کوئی اڑ کے دھول بنی
ہوا چلی تو برابر ہر اک کلی کے لئے

چراغ روک نہیں پاتے جب اندھیروں کو
ستارے آتے ہیں دھرتی پہ روشنی کے لئے

دعائیں مانگتا پھرتا ہے اپنے مرنے کی
جو بھیک مانگتا پھرتا تھا زندگی کے لئے

شمار کر لیا اُن کو بھی اپنی خوشیوں میں
جو غم اُٹھائے ہیں ہم نے تری خوشی کے لئے

رُکاوٹوں سے نئے حوصلے اُبھرتے ہیں
رُکاوٹیں بھی ضروری ہیں زندگی کے لئے

قبول کیجئے آنسو مرے غریب نواز!
یہی ہیں پھول مرے پاس بندگی کے لئے

جنابِ شیخ! وہ شئے بند ہے جو بوتل میں
بہت مفید ہے بے کیف زندگی کے لئے

جگرؔ! سفر میں لُٹیروں نے ہم کو لوٹ لیا
ہمارے پاس نہیں کچھ بھی واپسی کے لئے

❖

کردار

پہلے بھی بہت خوش تھا۔ میں اب بھی ہوں بہت خوش
کم بخت مری آنکھ یونہیں بھیگ گئی ہے

ذلّت جو مجھے آپ نے دی ہے تو ہُوا کیا؟
عزّت بھی مجھے آپ ہی کے در سے ملی ہے

رہے جب ہر قدم پر ہم سفر وہ مہرباں میرا
مرا دشمن مٹائے کس طرح نام و نشاں میرا؟

مرے منصف نے ہونٹوں پر لگا دی مہرِ خاموشی
ابھی تو درمیاں تک بھی نہیں پہنچا بیاں میرا

ستارے تو نہیں میں نے اتارے تیرے دامن سے
ہوا ہے کس لئے تو دشمنِ جاں آسماں میرا

یہ بجلی کیا جلائے گی، یہ آندھی کیا اڑائے گی
بہت آگے ہے ان دونوں کی زد سے آشیاں میرا

کسی نامہرباں کو کس طرح نامہرباں کہہ دوں
یہ ممکن ہے کہ وہ نامہرباں ہو مہرباں میرا

گنہ تو کر لئے بچ کر زمانے کی نگاہوں سے
مگر پیچھا نہیں اب چھوڑتیں پرچھائیاں میرا

فلک سے پوچھئے مجھ خاک کے پتلے کی عظمت کا
وہ خود کرتا ہے روشن چاند تاروں سے جہاں میرا

میں اپنے آپ کو پوری طرح پہچان پاؤں گا
اگر اک بار جی بھر کر ٹٹولے امتحاں میرا
سبھی پردے دُوئی کے پھونک ڈالے سوزِ وحدت نے
میں ہُوں سارے جہاں کا اور ہے سارا جہاں میرا
تمنائیں بھٹکتی پھرتی ہیں انجان راہوں میں
نہ جانے کون سی منزل پہ ٹھہرے کارواں میرا
مرے سوزِ جگر سے نور چھا جاتا ہے محفل پر
کسی کو روشنی ملتی ہے جلتا ہے مکاں میرا

٭

زندگی۔ موت

زندگی سے بہت پریشاں ہُوں
موت بھی کیا مجھے بچائے گی ؟
ڈر رہا ہُوں جس آئینے سے جگر !
یہ وہی آئینہ دِکھائے گی

O

اُن کی بس ایک چشمِ عنایت کے واسطے
ہم نے دِیے ہزاروں محبّت کے واسطے

پتھر بنایئے اِسے چوکھٹ بنایئے
یہ سَر ہے آپ کے درِ دَولت کے واسطے

دَیر و حَرم کا نقشہ کچھ ایسا بنایئے
ہو تھوڑی سی جگہ بھی محبّت سے واسطے

اُٹھتے رہے دُعا کے لئے عُمر بھر یہ ہاتھ
اَب کیسے اُٹھّیں تیری شِکایت کے واسطے

دونوں جہان بخش دِیے مجھ غریب کو
دِل دے کے تُو نے اپنی محبّت کے واسطے

اپنے لئے بھی اُس کو پُکارا کرو کبھی
جب بھی پُکارتے ہو مُصیبت کے واسطے

اپنے ہی واسطے ہے محبّت کی زِندگی
اپنی بھی زِندگی ہے محبّت کے واسطے

یا رب! سزا کے وقت رہے یہ بھی دھیان میں
ہم نے گنہ کیے تری رحمت کے واسطے

بندے سے بڑھتے بڑھتے خدا تک پہنچ گئے
پھیلے ہوئے ہیں کتنے محبت کے واسطے

آنکھوں نے موتیوں کے خزانے لٹا دیے
میرے لیے تمہاری عنایت کے واسطے

ہم چار دن کی عمر میں کیا حق ادا کریں؟
عمرِ خضر بھی کم ہے محبت کے واسطے

خونِ جگر سے پالا ہوا فن بھی اے جگر!
بکتا ہے چند سکوں کی دولت کے واسطے

٭

دخترِ رز

زندگانی کو لوٹ لیتی ہے
شادمانی کو لوٹ لیتی ہے
دخترِ رز سے بچ کے رہیے جناب!
یہ جوانی کو لوٹ لیتی ہے

یہ بات بھول جائیے گُل ہو گیا چراغ
یہ یاد رکھیے کتنا ہوا سے لڑا چراغ

سُورج وہ لے گیا تو ہمیں چاند دے گیا
جب اِک بُجھا چراغ، جلا دُوسرا چراغ

دِل والے کو خُدا نے دیا جلنے والا دل
کمزور جس کا دِل تھا، اُسے دے دِیا چراغ

بادِ صبا کا فیض ہے گُل کی شگُفتگی
کرتی ہے اپنے ہاتھ سے روشن ہوا چراغ

جشنِ خُوشی جہاں تھا، وہاں جھُومنے لگا
مجلس جہاں تھی غم کی، وہاں رو دِیا چراغ

شہنائیوں میں ایک زمانہ تھا اپنے ساتھ
تنہائیوں میں ساتھ ہمارے جلا چراغ

جس نے دِیئے اندھیرے اُسے رات لکھ دیا
جس نے دِیئے اُجالے اُسے لکھ دِیا چراغ

نفرت کی آندھیوں سے کوئی کہہ دے اے جگر!
یہ پیار کا چراغ ہے، یہ پیار کا چراغ

جب ملیں بچھڑے یار ساون میں
لوٹ آئے بہار ساون میں

کیوں نہ روئیں وہ بادلوں کی طرح؟
نہ ملے جن کو پیار ساون میں

پتی پتی پہ، ڈالی ڈالی پر
ناچتی ہے بہار ساون میں

مخملی چادریں ہیں اوڑھے ہوئے
وادیاں، کوہسار ساون میں

اپنا جوبن سنبھال پاتے نہیں
ندیاں، آبشار ساون میں

مُردہ رُوحوں کو زندگی بخشے
ننھی ننھی پھوار ساون میں

جیسے دریا میں باڑھ آئی ہو
ایسے اُمڈا ہے پیار ساون میں

آنکھ گیلی نہ ہو کسی کی بھی
میرے پروردگار ساون میں

ایسی بُوندیں پڑیں کہ دُھل جائے
نفرتوں کا غُبار ساون میں

سبزے کی چادروں نے ڈھانپ دیے
بے کسوں کے مزار ساون میں

اے جگرؔ! کس قدر رُلاتی ہے
ٹوٹے دِل کی پُکار ساون میں

٭

ضمیر کُشی

ہر طرح کا ستم سہا رہا ہے
رات دِن موت کو پُکارا ہے

کوئی اُس سے بڑا نہیں قاتل
جس نے اپنا ضمیر مارا ہے

موت آئے گی تو کیا لے جائے گی؟
مُٹھی بھر مٹّی اُٹھا لے جائے گی

پھول خُوشبُو دار ہونا چاہیئے
خُود ہَوا سَر پر بِٹھا لے جائے گی

اپنی مٹّی سے نہ رِشتہ توڑیئے
وَرنہ آندھی جا بجا لے جائے گی

زِندگی کی ڈور تو ہے تیرے ہاتھ
یہ کہاں خُود کو اُڑا لے جائے گی

اَے مہک! کب تک چُھپے گی پھول میں
چھین کر اِک دِن ہوا لے جائے گی

زِندگی کی قید سے خُود چھوٹیئے
مَوت کیا آ کر چھُڑا لے جائے گی

اپنی سرحد سے پرے تُو کِس طرح
اَے ہَوا! مُجھ کو اُڑا لے جائے گی

ہر خطا سے ہم بَری ہو جائیں گے
اُس کی رحمت ہر خطا لے جائے گی
کچھ زمیں رکھے گی اپنی گود میں
کچھ مری مٹی ہوا لے جائے گی
ہم کو اونچے پربتوں پر ایک دِن
اِک پرندے کی صدا لے جائے گی
رہنے دے گی کب سمندر میں ہمیں؟
پاس اپنے پھر گھٹا لے جائے گی
اپنے اِن ہاتھوں کو اِک دِن اے جگر!
چاند تاروں تک دُعا لے جائے گی

٭

شاعرِ اعظم (پروردِگار)

پھول کلیوں میں کیا نظارے ہیں!
چاند تاروں میں کیا اِشارے ہیں!
اے دو عالم کے شاعرِ اعظم!
تیرے لِکھنے کے رنگ نیارے ہیں

وُہ آسمان پہ اُڑنا دِکھائی دیتا ہے
طمانچہ وقت کا مجھ کو سُنائی دیتا ہے

نظر کو کچھ بھی نہیں سُوجھتا اندھیرے میں
ہمارے ہاتھوں کو سب کچھ دِکھائی دیتا ہے

سب اُس کے بندے ہیں، لیکن یہ مَوج ہے اُس کی
کِسی کو قید، کِسی کو رہائی دیتا ہے

جہاں مدد کے لیئے ایک بھی ترستا ہو
وُہ سارا شہر اپاہج دِکھائی دیتا ہے

اگر پڑے ہوں محبّت کے بول کانوں میں
تو پتھروں سے بھی نغمہ سُنائی دیتا ہے

کِسی نظر میں فقط اُس کے داغ ہوتے ہیں
کِسی کو چاند سُہانا دِکھائی دیتا ہے

ہر اِک کو مِلتا نہیں دردِ دِل کا سرمایہ
کِسی کِسی کو خُدا میرے بھائی! دیتا ہے

جس آدمی کو کوئی ہم خیال ملتا نہیں
وہ بھیڑ میں بھی اکیلا دِکھائی دیتا ہے

نہ جانے کون سی منزل ہے یہ محبّت کی
کہا نہیں ہے جو اُس نے سُنائی دیتا ہے

وہ اصل میں بھی وہی ہو یہ لازمی تو نہیں
ہماری آنکھوں کو جو کچھ دِکھائی دیتا ہے

ہر ایک جلوے کے پیچھے ہزاروں جلوے ہیں
وہ کب کسی کو مکمّل دِکھائی دیتا ہے

جو صبح و شام جوانی کے گیت گاتا تھا
اب اُٹھتے بیٹھتے اُس کی دُہائی دیتا ہے

تمام عمر گزرنے پہ بھی نہیں بھرتا
جگرؔ! وہ زخم جو بھائی کو بھائی دیتا ہے

٭

یہ تو سچ ہے دِل کو دِل سے پیار ہونا چاہیئے
پھر بھی اِس کا کُچھ نہ کُچھ اظہار ہونا چاہیئے

ہم قیامت تک بھی کرلیں گے تُمہارا اِنتظار
شرط یہ ہے وعدہ پائیدار ہونا چاہیئے

تُو سمندر میں ڈبو دے یا کِنارے پر لگا
یا خُدا! بیڑا ہمارا پار ہونا چاہیئے

مال و دولت، شان و شوکت، رنگ و مذہب چھوڑ کر
آدمی کو آدمی سے پیار ہونا چاہیئے

سرفِروشی کے لئے ہر دَم رہے جو پیش پیش
سرفِروشوں کا وُہی سردار ہونا چاہیئے

سر اُٹھائے پھرتے ہیں ظُلموں کے راون ہر طرف
رامؔ سا پیدا کوئی اَوتار ہونا چاہیئے

آدمی خُوش رنگ، خُوش قامت ہُوا تو کیا ہُوا
آدمی خُوش خلق، خُوش کِردار ہونا چاہیئے

صرف کھلنے چاہییں دِل میں محبّت کے گُلاب
اِس چمن کو گُلشنِ بے خار ہونا چاہیئے

آپ کا دیدار ہونا چاہیئے کچھ اِس طرح
دیدہ و دِل دونوں کو سرشار ہونا چاہیئے

منزلوں کے واسطے رفتار ہی کافی نہیں
اَے مُسافر! تجھ کو خُوش رفتار ہونا چاہیئے

گھر کے اندر کی گھُٹن سے باہر آنے کے لئے
صحن میں اِک پیڑ سایہ دار ہونا چاہیئے

زندگانی کے چمن میں اَے جگر! اِنسان کو
پھُول کی مانند خُوش گُفتار ہونا چاہیئے

○

کتنا ظالم کر گیا کردار میں!
دِل کے ٹکڑے چُن دِئے دیوار میں

اِتنی طاقت ہے محبّت پیار میں
دم نہ رہنے دے کسی تلوار میں

گھر میں ایسا کونسا دُکھ ہے تمہیں؟
گھر بنائے بیٹھے ہو بازار میں

آ گیا اُس کی حِفاظت کا خیال
جب دراڑیں پڑ گئیں دیوار میں

ناخُدا کو بھی خُدا یاد آ گیا
جب سفینہ پھنس گیا منجدھار میں

جب تک احساسات میں خوشبو نہ ہو
پھول بھی ہنستے نہیں گلزار میں

لُوٹ لیتی ہے کسی کو دُشمنی
آپ لُٹ جاتا ہے کوئی پیار میں

آدمی بھی اور چیزوں کی طرح
بِک رہا ہے آجکل بازار میں
ڈھونڈتے ہیں لوگ آنکھوں سے اُسے
جو ہے خوشبو کی طرح گلزار میں
اِک عنایت کی نظر ہم پر بھی ہو
کیا کمی ہے آپ کے دربار میں
جھک گئی غم سے کمر اپنی، مگر
بل نہ آیا طرّۂ دستار میں
اپنی خوشبو کانٹوں میں بھی بانٹئے
رہیئے پھولوں کی طرح گلزار میں
اے جگرؔ! اُس کی عنایت کے طفیل
خود بخود در بن گئے دیوار میں

○

آپ کو خوشیوں کی برسات نے رونے نہ دیا
ہم کو ہر روز کے صدمات نے رونے نہ دیا

زندگی بھر رہا اِس بات کا رونا ہم کو
جس کا رونا تھا اُسی بات نے رونے نہ دیا

کبھی دِن رات نے دِن رات رُلایا ہم کو
کبھی اِک لمحہ کبھی دِن رات نے رونے نہ دیا

لوگ بگڑے ہوئے حالات میں رو لیتے ہیں
ہم کو بگڑے ہوئے حالات نے رونے نہ دیا

پھول کا کام ہے ہر حال میں ہنستے رہنا
کبھی اُن کو مری اِس بات نے رونے نہ دیا

دِن کو اُلجھے رہے کچھ ایسے کہ ہم رو نہ سکے
رات کو یادوں کی بارات نے رونے نہ دیا

سینکڑوں رنج دِیئے تیری جُدائی نے مگر
ایک اُمیدِ مُلاقات نے رونے نہ دیا

آنسو

پونچھنے والا نہیں کوئی ہمارے اِس بات نے رونے نہ دیا
رونا چاہا، مگر ہنسی

غم میں ہم رونے ہی والے تھے کہ آ پہنچی حالات نے رونے نہ دیا
ہائے تبسّم ں کو

غم کے ماروں کو جگرِ عشق کے بیمار بھری رات نے رونے نہ دیا
چاند تاروں

دو شعر

بارستہ سے
وہ جو حاصل نہ ہو ہمت سے
مانگ کر دیکھیے محا

٭

خامیاں
خوبیوں پر کب اثر کرتی ہیں دو کا حُسن، کم ہوتا نہیں
چاند کے داغوں سے اُس

٭

آتی ہیں مشکلات اصولوں کے واسطے
کانٹوں سے لڑنا پڑتا ہے پھولوں کے واسطے

اِک بھی بشر بڑھاتا نہیں دوستی کا ہاتھ
کتنی بڑی سزا ہے بھولوں کے واسطے!

کانٹے چبھو چبھو کے کیا خون باپ کا
کم بخت اب جھگڑتے ہیں پھولوں کے واسطے

ہم بھی بدل تو سکتے ہیں بچّوں کی زندگی
چندہ کہاں سے لائیں سکولوں کے واسطے

کیا مسکرا رہے ہیں کسی کے مزار پر!
اچھّی نہیں ہے بات یہ پھولوں کے واسطے

جب دِل میں غم بسے ہوں تو کیا جھومے آدمی
موسم سہانا چاہیئے جھولوں کے واسطے

شبنم کا گلستاں میں کہیں ذِکر تک نہیں
قربان ہو گئی ہے جو پھولوں کے واسطے

یا رب! وہ لوگ کون سی بستی میں جا بسے
مر مٹتے تھے جو اپنے اصولوں کے واسطے
کچھ تو ثبوت دیجیے اپنے وجود کا
بن کر نہ رہیے تنکے بگولوں کے واسطے
رہتے ہیں زندگی میں پریشاں سب اے جگر!
کانٹوں کے واسطے، کوئی پھولوں کے واسطے

٭

دو شعر

ہر وقت خوشی رہتی نہیں، غم نہیں رہتا
دنیا میں ہمیشہ کوئی موسم نہیں رہتا

٭

غموں کے بعد ملتی ہیں جو خوشیاں اُن کے کیا کہنے!
اندھیروں سے اُجالوں کے نظارے خاص ہوتے ہیں

جس بات کی مخصوص کہانی نہیں ہوتی
صدیوں میں بھی وہ بات پرانی نہیں ہوتی

قدرت جسے مہکائے وہی مہکے چمن میں
ہر ایک کلی رات کی رانی نہیں ہوتی

جس میں کوئی حسرت نہ ہو، وہ دل نہیں ہوتا
جو خواب نہ دیکھے وہ جوانی نہیں ہوتی

ہر شخص کو آپ ایک ترازو میں نہ تولیں
ہر شخص کی اِس جیسی کہانی نہیں ہوتی

کتنی بھی نکل جائے کوئی عمر سے آگے
گڑیا کبھی بابا کی سیانی نہیں ہوتی

جو اپنے لہو سے نہ لکھے اپنی کہانی
وہ دل نہیں ہوتا، وہ جوانی نہیں ہوتی

ہر روز چمکتا نہیں قسمت کا ستارا
ہر شخص کی ہر رات سہانی نہیں ہوتی

ہے تیری کہانی جسے حاصل یہ شرف ہے
سو بار سُنی جائے، پُرانی نہیں ہوتی

ہوتا ہے اثر وقت کی گرمی کا سبھی پر
وہ کون سی ہے برف جو پانی نہیں ہوتی

یارب! اِسے خود کہنے کی توفیق عطا کر
ہونٹوں سے بیاں دِل کی کہانی نہیں ہوتی

ہر نیند میں پریوں کے نظارے نہیں ہوتے
ہر نیند جگر! سپنوں کی رانی نہیں ہوتی

☆

دو شعر

اکبر کو مِلا ہے نہ سکندر کو مِلا ہے
جُھک کر ترے دَر پر جو مِرے سَر کو مِلا ہے

☆

مِرا دِل ہے اور آپ کی یاد ہے
یہ گھر آج کل کتنا آباد ہے!

ضرورت ہے (قومی ایکتا)

○

کدورت کے جنازے کو اُٹھانے کی ضرورت ہے
دِلوں کی بستیوں میں پیار لانے کی ضرورت ہے

مِلا قطرے سے جب قطرہ سمندر ہو گیا پیدا
یہ راز ایک ایک ہندی کو بتانے کی ضرورت ہے

وطن کو صاف کر کے کینہ و نفرت کے خاروں سے
گُلِ مہر و محبّت سے سجانے کی ضرورت ہے

وطن ہی اپنا کعبہ ہے، وطن ہی اپنا بُت خانہ
ہر اِک ہندی کو یہ نعرہ لگانے کی ضرورت ہے

وطن والو! تم اُلجھے بیٹھے ہو آپس کے جھگڑوں میں
تمہیں تو دیش پر خود کو مِٹانے کی ضرورت ہے

بھٹکتے پِھرتے ہیں جو لوگ نفرت کی فضاؤں میں
اُنہیں کوئے محبّت میں بسانے کی ضرورت ہے

وطن کیا ہے؟ سمندر ہے، زبانیں کیا ہیں؟ لہریں ہیں
یہ بات اہلِ تعصّب کو جتانے کی ضرورت ہے

سبھی ہیں آدمی جب، پھر کوئی چھوٹا بڑا کیوں ہو؟
جو نیچے ہیں اُنہیں اُونچا اُٹھانے کی ضرورت ہے

اگر کشتی عداوت کی ڈبونی ہے وطن والو!
دِلوں میں پریم کی گنگا بہانے کی ضرورت ہے

نہ ہو اِنسانیت جس میں اُسے اِنساں نہیں کہتے
یہ سچّائی ہر اِنساں کو بتانے کی ضرورت ہے

جگرؔ! فردوس سے بہتر بنانا ہے جو بھارت کو
سبھی کو ایکتا کا گیت گانے کی ضرورت ہے

اِنتظار

ٹھہر جا اے گھٹا کالی! مِرے ساجن کو آنا ہے
مِرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

کہوں کیا۔ کٹ رہا ہے کِس طرح موسم جدائی کا
کئی صدیوں پہ بھاری ہے مُجھے ہر دم جُدائی کا
یہ سارا ماجرا اُس کو گلے لگ کر سُنانا ہے
ٹھہر جا اے گھٹا کالی! مِرے ساجن کو آنا ہے
مِرے ساجن کو آنا ہے۔ مُجھے ساون منانا ہے

سُنانا ہے مجھے افسانۂ غم اُس کو رو رو کر
سُنانا ہے اُسے بھی حالِ دِل بے حال ہو ہو کر
رُلانے رونے میں دونوں کا دامن بھیگ جانا ہے
ٹھہر جا اے گھٹا کالی! مِرے ساجن کو آنا ہے
مِرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

مِلن ہو گا۔ گِلے ہوں گے۔ شِکایت بھی لگاوٹ بھی
نظارے بھی۔ اِشارے بھی۔ حِکایت بھی۔ رُکاوٹ بھی
بہم اِک دُوسرے کی بانہوں میں پھر جھُول جانا ہے
ٹھہر جا اَے گھٹا کالی! مرے ساجن کو آنا ہے
مرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

وُہ ساجن جو صداقت آشنا لوگوں میں رہتا ہے
وہ ساجن جو دِلوں میں مَوجِ گنگا بن کے بہتا ہے
اُسی ساجن کا اَے بجلی! مرے لب پر ترانا ہے
ٹھہر جا اَے گھٹا کالی! مرے ساجن کو آنا ہے
مرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

وُہ ساجن مَیل دھوتا ہے کدُورت کی جو سینے سے
وُہ ساجن دُور رکھتا ہے جو ہر اِنساں کو کینے سے
اُسی کی داستاں ہے یہ۔ اُسی کا یہ فسانہ ہے
ٹھہر جا اَے گھٹا کالی! مرے ساجن کو آنا ہے
مرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

وُہ ساجن۔ نام جِس کا جوشِ اخلاص و اُخوّت ہے
وُہ ساجن۔ نام جِس کا جذبۂ مہر و محبّت ہے
وُہ ساجن۔ آج جِس کا مُنتظِر سارا زمانا ہے
ٹھہر جا اَے گھٹا کالی! مِرے ساجن کو آنا ہے
مِرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

محبّت سَب سے اَفضل ہے۔ محبّت سب سے اعلا ہے
محبّت ہی خُدا کا گھر۔ محبّت ہی شِوالا ہے
اُسی کے آستاں پر ساری دُنیا کو جھکانا ہے
ٹھہر جا اَے گھٹا کالی! مِرے ساجن کو آنا ہے
مِرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

محبّت ہی ہے جو ٹُوٹے دِلوں کو جوڑ سکتی ہے
محبّت ہی ہے جو نفرت کی کڑیاں توڑ سکتی ہے
محبّت ترک کرکے سخت مُشکِل میں زمانا ہے
ٹھہر جا اَے گھٹا کالی! مِرے ساجن کو آنا ہے
مِرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

نہیں رہنے کی صورت دیر تک یوں زرد چہروں کی
پلٹ کر آئے گی پھر مسکراہٹ خشک ہونٹوں کی
محبت کے مسیحا کو تو ہر صورت میں آنا ہے
ٹھہر جا اے گھٹا کالی! مرے ساجن کو آنا ہے
مرے ساجن کو آنا ہے۔ مجھے ساون منانا ہے

٭

دو شعر

وہ جو ہر دم جفا پہ مائل ہیں
وہی میری وفا کے قائل ہیں

٭

محبت کا نہ دو تم نام ابھی اپنی محبت کو
گزر تک کا نہیں ہونا اگر دل میں محبت ہو

نیا پنجاب

تُو دِکھاتا ہے مُجھے تصویر کِس پنجاب کی؟
اے مُصوّر! یہ نہیں تصویر اِس پنجاب کی

٭

گو لیوں کی جس جگہ آٹھوں پہر برسات تھی
نام کو دِن تھا، جہاں لیکن اندھیری رات تھی
زِندگانی بے مزہ، بے قدر، بے اوقات تھی
آدمی کے واسطے بس اِک خُدا کی ذات تھی
مَیں سمجھتا ہُوں یہ ہے تصویر کِس پنجاب کی
تُو دِکھاتا ہے مُجھے تصویر کِس پنجاب کی
اے مُصوّر! یہ نہیں تصویر اِس پنجاب کی

ہر طرف جو غم کے بادل تھے وُہ چھٹ جانے لگے
امن و راحت کے سِتارے جلوہ فرمانے لگے
پھر فضاؤں میں پرندے نغمے برسانے لگے
پھر خوُشی سے پھُول ہر ڈالی پہ لہرانے لگے
اَب حقیقت میں ہے یہ تصویر اِس پنجاب کی
تُو دِکھاتا ہے مُجھے تصویر کِس پنجاب کی
اَے مُصوّر! یہ نہیں تصویر اِس پنجاب کی

❖

قتل و غارت کا بھڑکتا تھا جو شُعلہ سَرد ہے
دِل کے آئینے پہ دہشت کی کہاں اَب گرد ہے
دَرد سِینے میں ہے لیکن پیار کا وُہ درد ہے
زیست کی چوسر پہ بے خوَف و خطر ہر فرد ہے
آ دِکھاؤں مَیں تُجھے تصوِیر اِس پنجاب کی
تُو دِکھاتا ہے مُجھے تصوِیر کِس پنجاب کی
اَے مُصوّر! یہ نہیں تصوِیر اِس پنجاب کی

❖

جھومتی پھرتی ہیں مٹیاروں کی دِل کش ٹولیاں
آنگن آنگن گونجتی ہیں پیاری پیاری بولیاں
پھر خوشی سے اُٹھ رہی ہیں دُلہنوں کی ڈولیاں
پھر سے لہرانے لگی ہیں اُن کی رنگیں چولیاں

قابلِ دیدار ہے تصویر اِس پنجاب کی
تو دِکھاتا ہے مجھے تصویر کس پنجاب کی؟
اَے مصوّر! یہ نہیں تصویر اِس پنجاب کی

٭

ایک شعر

جُرم بڑھتے بھی ہیں سزاؤں سے
کم بھی ہوتے نہیں سزا کے بغیر

درویشوں کا گیت

○

او انجانے! تو کیا جانے؟ اِک دِن وُہ رُت بھی آئے گی
خوشیوں کا سُورج چمکے گا۔ غم کی بدلی چھٹ جائے گی

ظالم! ہاتھ اُٹھائے جفا سے۔ بچ نہ سکے گا قہرِ خُدا سے
پُوچھنے والا کوئی نہ ہوگا۔ موت سرہانے منڈلائے گی
او انجانے! تو کیا جانے؟ اِک دِن وُہ رُت بھی آئے گی
خوشیوں کا سُورج چمکے گا۔ غم کی بدلی چھٹ جائے گی

ظُلم و تشدُّد کے یہ اندھیرے کب تک رکھتے ہیں ڈال کے ڈیرے
کب روکے رُکتے ہیں سویرے۔ رات دُکھوں کی ڈھل جائے گی
او انجانے! تو کیا جانے؟ اِک دِن وُہ رُت بھی آئے گی
خوشیوں کا سُورج چمکے گا۔ غم کی بدلی چھٹ جائے گی

جس طاقت پر تُو مرتا ہے ۔ سَو سَو کام بُرے کرتا ہے
ہر دم جِس کا دَم بھرتا ہے ۔ کیا وُہ تُجھ کو بچا پائے گی؟
او انجانے! تُو کیا جانے؟ اِک دِن وُہ رُت بھی آئے گی
خُوشیوں کا سُورج چمکے گا۔ غم کی بدلی چھٹ جائے گی

آئے گا لازِم وُہ زمانہ ۔ ہو گا ختم تیرا افسانہ
دَولت، عِزّت، عظمت، حشمت ۔ سَب مٹّی میں مِل جائے گی
او انجانے! تُو کیا جانے؟ اِک دِن وُہ رُت بھی آئے گی
خُوشیوں کا سُورج چمکے گا۔ غم کی بدلی چھٹ جائے گی

اِن پر کیوں ہے اِتنا نازاں ۔ تجھ کو عِلم نہیں اَے ناداں!
نام بھی تیرا مِٹ جائے گا۔ آن بھی تیری مِٹ جائے گی
او انجانے! تُو کیا جانے؟ اِک دِن وُہ رُت بھی آئے گی
خُوشیوں کا سُورج چمکے گا۔ غم کی بدلی چھٹ جائے گی

عیش و عشرت کے سب سامان۔ جن پر تو سو جان سے قرباں
سُندر تخت، محل عالیشاں۔ موت کی آندھی لے جائے گی
او انجانے! تو کیا جانے؟ اک دن وہ رُت بھی آئے گی
خوشیوں کا سورج چمکے گا۔ غم کی بدلی چھٹ جائے گی

جب دنیا سے اُٹھ جائے گا۔ کوئی نہ تجھ کو یاد کرے گا
گرد بنے گی قبر کی مٹی۔ تختی خاک میں مل جائے گی
او انجانے! تو کیا جانے؟ اک دن وہ رُت بھی آئے گی
خوشیوں کا سورج چمکے گا۔ غم کی بدلی چھٹ جائے گی

٭

دو شعر

جو لوگ وفا کے لئے مٹی میں ملے ہیں
اُن لوگوں کی مٹی سے کئی پھول کھلے ہیں

٭

نظر کی عبادت تری جستجو ہے
زباں کی عبادت تری گفتگو ہے

تندُرستی

○

تندُرستی آدمی کی جان ہے
تندُرستی مَرد کی پہچان ہے
تندُرستی ہو تو رحمت زِندگی
وَرنہ بن جاتی ہے زحمت زِندگی
تندُرستی ہو تو ہے آبِ حیات
زِندگی وَرنہ ہے بے معنی سی بات
جو بشر لاچار ہے بیمار ہے
زِندگی اُس کے لئے آزار ہے
دُور جس انسان سے صِحت ہُوئی
بھاگتے ہیں اُس کی صُحبت سے سبھی
تندرستی ہو تو جنّت زِندگی
وَرنہ دوزخ سے بھی بد تر ہے.. بھی
جَب خُدا سے آپ کُچھ بھی مانگئے
ساتھ اُس کے تندُرستی مانگئے

جس بشر کے پاس یہ دولت نہیں
اُس کی دُنیا میں کوئی عزّت نہیں

تندرستی دے اگر پروردگار
کیجئے بے تندرستوں پر نثار

بانٹتا ہے دردمندوں کے جو درد
درحقیقت ہے وُہی مردوں میں مرد

جو بنے بیمار کا تیمار دار
کم مسیحا سے نہیں اُس کا وقار

جو شفا بخشے کسی بیمار کو
کم کرے وُہ اپنے ہر آزار کو

جو بشر کرتا ہے ایسے نیک کام
زندہ رہتا ہے ہمیشہ اُس کا نام

٭

ایک شعر

ظرف سے بڑھ کے جس نے پایا ہے
اُس نے پایا نہیں، گنوایا ہے

عِلم

عِلم سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں
عِلم سے بڑھ کر کوئی دَولت نہیں
عِلم سے پُر نور ہوتا ہے دِماغ
عِلم ہی کرتا ہے روشن یہ چراغ
عِلم سے ہر آدمی اِنساں بنے
ہو نہ جس میں عِلم وُہ شیطاں بنے
عِلم سے روشن ہو اِنساں کا شعُور
عِلم سے بھاگے جہالت کوسوں دُور
عِلم سے اِنسان کی بڑھتی ہے شان
عِلم ہی اُس کی بڑھائے آن بان
عِلم سے کُھلتا ہے رازِ زِندگی
عِلم سے دِل کش ہے سازِ زندگی
عِلم سے بڑھتا ہے اِنساں کا وَقار
ورنہ اِک بے کار ہے مُشتِ غُبار

آدمی کی زِندگی کا آئینا
عِلم کے پانی سے ہوتا ہے صَفا
عِلم گھر بنوانا بچّوں کے لِئے
کم نہیں تعمیرِ دیر و کعبہ سے
بانٹے دَولت عِلم کی جو آدمی
اُس سا دُنیا میں نہیں کوئی سخی

❁

دو شعر

ہمدم ہیں زمانے میں تِرے دَم کی بدولت
جَب دَم نہ رہے گا کوئی ہمدم نہ رہے گا

❁

داستاں ہے لب پہ تیرے نام کی
اَب بنی ہے زِندگی کُچھ کام کی

گُورو ہرگوبند صاحب

○

داستاں سُنیئے گا ہرگوبند کی
اُس کی پیدائش وڈالی میں ہُوئی

ماتا گنگا نے جنم اُس کو دیا
راحتِ جاں تھا وُہ ارجن دیو کا

نام کا بے شک وُہ ہرگوبند تھا
اَصل میں اِک رُوپ تھا گوبند کا

فرش کی صُورت تھا گو پُر اِنکسار
عَرش سے کُچھ کم نہ تھا اُس کا وَقار

زِندگی میں کر دِکھائے وُہ کمال
جن کی مُشکل ہی سے مِلتی ہے مِثال

دھرم کی جڑ اِس قدر مضبُوط کی
جو نہ ہِل پائی کِسی آندھی سے بھی

پیار ہر سینے میں اُس نے بھر دیا
خار کو بھی گُل کا ہمسر کر دیا

وُہ تھا ماہر دھرم کے پرچار کا
وُہ دھنی تھا تیر کا تلوار کا

جو نہ ہوتا تھا محبت پیار سے
کام لیتا تھا وُہی تلوار سے

ہے اُسی کے کارناموں کا کمال
قوم کو اَب تک نہیں آیا زوال

اُس گُورو کے یہ سُنہری قول تھے
"آدمی یودھا پَر اُپکاری بنے

آدمی کو کام سے پہچانیئے
ذات سے رُتبہ نہ اُس کا جانیئے

کوئی چھوٹا ہے نہ ہے کوئی بڑا
جُزو ہے ہر اِک خُدا کی ذات کا

آپ میں ہوتا نہیں جب آدمی
دُور ہو جاتی ہے اُس سے آگہی

خاک کے پُتلے میں آیا جب غرُور
ہوگیا اِنسانیت سے کوسوں دُور"

ہر گوبند اِنسانیت کا پیشوا
اے جگر! رُوحانیت کا پیشوا

ہندوؤں کا تھا مسلمانوں کا تھا
پیر و مُرشد وُہ سب اِنسانوں کا تھا

مہاتما گاندھی

○

اِک مہا پُرش کی کہانی ہے
جو مُجھے آپ کو سُنانی ہے
پور بندر کی پاک دھرتی پر
اِک صدی پہلے کرم چند کے گھر
پیدا اِک ایسا نونہال ہُوا
جو زمانے کا باکمال ہُوا
رحمتِ حق کا کر کے شُکر و سپاس
باپ نے نام رکھا موہن داس
کم سِنی میں خِطاب کرتا تھا
بات ہر لاجواب کرتا تھا
ایسا عالِم ہُوا وہ پڑھ لِکھ کر
ایک عالَم کو رشک تھا جس پر
درد مندوں سے پیار تھا اُس کو
حق پسندوں سے پیار تھا اُس کو

وُہ مُساوات کا پجاری تھا
ایک ہی ذات کا پجاری تھا
اُس کی نظروں میں تھی خُدا کی ذات
سُن نہ سکتا تھا ذات پات کی بات
وُہ پرستار تھا صداقت کا
وُہ پرستار تھا شرافت کا
وُہ تھا دیوانہ آدمیّت کا
وُہ تھا پروانہ شمعِ اُلفت کا
خُود نُمائی سے اُس کو نفرت تھی
بے وفائی سے اُس کو نفرت تھی
سادگی کا تھا اُس کو اِتنا پاس
اِک لنگوٹی تھی صرف اُس کا لباس
بحرِ ہستی کا ایسا قطرا تھا
موجزن جس میں ایک دریا تھا
جب بھی وُہ اپنی موج میں آتا
اِک جہاں کو بہا کے لے جاتا
قولِ زرّیں جسے سُناتا تھا
اپنی ہستی وُہ بھول جاتا تھا
وُہ اِک ایسا عظیم اِنساں تھا
جس کا اِنسانیت ہی اِیماں تھا

بیڑا جس کام کا اُٹھانا تھا
پُورا کر کے اُسے دِکھانا تھا
دیکھنے میں وُہ ناتواں سا تھا
عزمِ مُحکم میں اِک ہمالا تھا
پاس اُس کے نہ توپ تھی نہ تفنگ
پھر بھی ڈرتے تھے اُس سے اہلِ فرنگ
ایک مُدّت بہا کے خُون اپنا
داغ دھونا رہا غُلامی کا
آخرِ کار کامیاب ہُوا
ذرّہ خورشید کا جواب ہُوا
کیا روشن چراغِ آزادی
روشنی دیش بھر میں پھیلا دی
کر دی خُوبی کی اِنتہا اُس نے
اپنے قاتل کو دی دُعا اُس نے
اُس کی عظمت کے اِتنے چرچے تھے
سب اُسے باپُو گاندھی کہتے تھے
جاں فشانی ہے باپُو گاندھی کی
ہم مناتے ہیں جشنِ آزادی
اُس کے نقشِ قدم پہ چل کے جگرؔ!
کیجئے ختم زندگی کا سفر

سُبھاش چندر بوس

مہان دیش کا رہبر سُبھاش چندر بوس
دِلاوروں کا دِلاور سُبھاش چندر بوس

حبیب کے لیئے نازک سی شاخ پھولوں کی
حریف کے لیئے خنجر سُبھاش چندر بوس

ہر ایک جوہرِ قابل تھا قدرداں اُس کا
تھا ایسا صاحبِ جوہر سُبھاش چندر بوس

کوئی جہاں میں سِکندر پُکارتا ہے اُسے
کوئی کہے کہ تھا اکبر سُبھاش چندر بوس

جو دیکھیئے تو فقط ایک مردِ مَیداں تھا
جو سوچیئے تو تھا لشکر سُبھاش چندر بوس

مزا زبانوں کو مِلتا تھا اُس کی باتوں سے
تھا ایک قندِ مکرّر سُبھاش چندر بوس

وطن کے تاج کو چمکا دِیا زمانے میں
چمک میں ایسا تھا گوہر سُبھاش چندر بوس

نظر سے پھونکتا تھا رُوح مُردہ رُوحوں میں
تھا کیمیا سے بھی بڑھ کر سُبھاش چندر بوس

وَقار سے رہا قائم ہِمالیہ کی طرح
ہُوا جہاں بھی مُقرّر سُبھاش چندر بوس

ٹھہر سکی نہ غُلامی کی کالی رات کہیں
جو چمکا ماہِ مُنوّر سُبھاش چندر بوس

نِگاہِ غور سے دیکھیں جو خُوبیاں اُس کی
فرِشتوں سے بھی تھا بہتر سُبھاش چندر بوس

نِگاہ پڑتی ہے جس وقت دیش بھگتوں پر
تو یاد آتا ہے اکثر سُبھاش چندر بوس

تیرے حضور میں یارب! جگر کی ہے یہ دُعا
جنم لے ہند میں گھر گھر سُبھاش چندر بوس

☆

ایک شعر

زمیں پہ آ نہ سکوں، آسماں پہ جا نہ سکوں
چلی گئی ہے ہوا کس جگہ بٹھا کے مجھے!

سلام

○

ہر دل ہر آنکھ میں ہے ٹھکانا حُسینؑ کا
دیوانہ کس قدر ہے زمانہ حُسینؑ کا

ٹُوٹا ہُوا قلم ہے تو بھیگا ہُوا ورق
لکھّوں تو کیسے لکھوں فسانہ حُسینؑ کا

بانٹے گئے ہزاروں جواہر ثواب کے
خالی ہُوا نہ پھر بھی خزانہ حُسینؑ کا

آنکھوں میں آنسوؤں کے سمندر لئے ہُوئے
کوئی سُنا رہا ہے فسانہ حُسینؑ کا

دُنیا مِٹا سکی نہ کبھی حق پرست کو
کل بھی تھا آج بھی ہے زمانہ حُسینؑ کا

ہر ایک سینے میں ہے محبّت حُسینؑ کی
ہر ایک ہونٹ پر ہے فسانہ حُسینؑ کا

چاروں طرف سے آتی ہے آوازِ یا حُسینؑ!
عاشق ہے آج ایک زمانہ حُسینؑ کا

پھر موت سے بھی خوف نہ کھائے وُہ عُمر بھر
جو ایک بار سُن لے فسانا حُسینؑ کا

دیوانہ وار پھرتی ہے صحراؤں میں ہوا
شاید وُہ ڈھونڈتی ہے ٹھکانا حُسینؑ کا

ہر سُننے والا شُعلے کی مانند ہے جگرؔ!
جاں سوز کِس قدر ہے فسانا حُسینؑ کا

٭

دو شعر

دِل کے نگر میں غم کو ٹھہرنے نہ دیجیے
اِک بار بس گیا تو نِکالا نہ جائے گا

٭

کیسے ناظم ہیں تیری محفِل کے!
اِک بِٹھاتا ہے۔ اِک اُٹھاتا ہے

ہندوستاں کی دھرتی

○

نازکرتا ہے اِک جہاں جس پر
سر جُھکاتا ہے آسماں جس پر
ہے فدا گُلشنِ جناں جس پر
میرے ہندوستاں کی دھرتی ہے

جس کا ہر ذرّہ رشکِ لعل و گُہر
جس کا ہر ذرّہ رشکِ شمس و قمر
جس کا ہر ذرّہ رشکِ خُلدِ نظر
میرے ہندوستاں کی دھرتی ہے

ذکر ہے جس کا ہر فسانے میں
لَے ہے جس کی ہر اک ترانے میں
دھاک ہے جس کی اِک زمانے میں
میرے ہندوستاں کی دھرتی ہے

لعل و گوہر ہیں جس کے کھیتوں میں
آبِ کوثر ہے جس کی ندیوں میں
گُل مہکتے ہیں جس کی راہوں میں
میرے ہندوستاں کی دھرتی ہے

زندگی جس کے آبشاروں میں
کیمیا جس کے کوہساروں میں
جنّتیں جس کے لالہ زاروں میں
میرے ہندوستاں کی دھرتی ہے

سنت، صوفی، رشی، امام ہوئے
جن کے شاہ جہاں غلام ہوئے
جہاں ایسے فلک مقام ہوئے
میرے ہندوستاں کی دھرتی ہے

کوئی کہتا ہے "رام۔رام" جہاں
اور کوئی کہے "سلام" جہاں
سب کا ہوتا ہے احترام جہاں
میرے ہندوستاں کی دھرتی ہے

○

کِس زور کی کشش تھی تری جلوہ گاہ میں
دیوانے کو نہ روک سکا کوئی راہ میں

اپنی نظر کو کیوں نہ بہشتِ نظر کہوں؟
ہر وقت آپ رہتے ہیں میری نِگاہ میں

جلتا ہے پیڑ دھوپ میں سائے کے واسطے
آساں نہیں ہے رکھنا کسی کو پناہ میں

چلنے کے واسطے ہیں کئی راستے، مگر
ہوتا ہے ختم سب کا سفر تیری راہ میں

دِل کو بھی تُو پسند، نظر کو بھی تُو پسند
ہم تجھ کو دِل میں رکھیں کہ رکھیں نِگاہ میں

یارب! اگر کسی کا بھلا ہو گُناہ سے
کیا وُہ بھی لکھنا چاہیئے فردِ گُناہ میں؟

اِک روز جانے والا پلٹ کر بھی آئے گا
کب سے اِس آس پر کوئی بیٹھا ہے راہ میں

اے دوست! تیرے جلووں کو پہچانتے ہیں ہم
اِتنی تجلّیاں ہیں کہاں مہر و ماہ میں؟
سُورج بنے، سِتارے بنے، چندرماں بنے
جتنے بجُھے چراغ محبّت کی راہ میں
وقت اپنا زِندگانی کی محفِل میں اے جگرؔ!
گُزرا کچُھ آہ آہ میں کچُھ واہ واہ میں

٭

دو شعر

وُہ جو اُنگلی پکڑ کے چلتے تھے
اَب ہمیں راستہ دِکھاتے ہیں

٭

کچُھ بھی نہ مِلے گا جو اداکاری کرو گے
سَر دو گے محبّت میں تو سَرداری کرو گے

دِل کو ہے طلب جِس کی اَب وُہ شَے نہیں مِلتی
اِک جہان کے دِل کو ہم نے چھان رکّھا ہے
ہم جِگر! نہیں ڈرتے، بجلیوں کے حملوں سے
سَر پہ اُس کی رحمت کا سائبان رکّھا ہے

٭

تسلّی

کِس بات سے تُو اَے دِل! یُوں سٹپٹا رہا ہے
سارے چمن کو تُو نے سَر پر اُٹھا لیا ہے
لب پر ترے خُدا سے کیوں اِس قدر گِلے ہیں؟
مانا چمن سے تجھ کو دو پھُول ہی مِلے ہیں
کھول آنکھ دیکھ اُس کو تُو غور کی نظر سے
کانٹے بھرے پڑے ہیں دامن میں جِس بشر کے
حالانکہ وُہ بشر بھی بندہ ہے اُس خُدا کا
جِس نے تجھے بنایا۔ جِس نے اُسے بنایا

○

مَیں فنا ہو کے بھی فنا نہ ہُوا
بُلبُلا پانی سے جُدا نہ ہُوا

عُمر تیری تلاش میں گزری
مَیں کبھی خُود سے آشنا نہ ہُوا

ہم کہاں اُن کو دیکھ سکتے تھے
خیر گُزری جو سامنا نہ ہُوا

دِل سے مِلنا تو اُس کو آتا نہیں
وُہ ہمارا ہُوا، ہُوا نہ ہُوا

ہم سے نفرت ہے یا محبّت ہے
تُم سے تو یہ بھی فیصلا نہ ہُوا!

نام تک لوگ بھُول جاتے ہیں
اِک فسانہ ہُوا، خُدا نہ ہُوا

کِس بہانے سے جان لینا ہے!
وُہ بُرا کر کے بھی بُرا نہ ہُوا

آپ کیا پُوچھتے ہیں حالِ جگر!
مُسکرائے ہُوئے اُسے زمانہ ہُوا

Parvaz-e-Jigar

پروازِ جگر

Jigar Jalandhri

جگر جالندھری